رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

اے میرے ربّ! یقیناً میں ہر اچھی چیز کے لئے، جو تُو میری طرف نازل کرے، ایک فقیر ہوں۔

ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

آبگینے

خواتین کا علمی، ادبی معاشرتی و مذہبی
سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

مُدِیرَہ

مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب | انچارج بچوں کا گلستان / پکوان

حمیرا نگہت | عیشۃ الراضیہ عباسی

زیرِ انتظام عباسی اکیڈیمی

سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

شمارہ جنوری 2022

جلد 3 شمارہ 5

جمادی الاوّل/ جمادی الثانی

هُـــــــوَ النــاصر
خدا تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ

ایک دل شیشہ کی مانند ہوا کرتا ہے ٹھیس لگ جائے ذرا سی تو صدا کرتا ہے

آبگینے
ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ

خواتین کا علمی، ادبی، معاشرتی و مذہبی سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ
جلد 3 شمارہ 5 – جنوری 2022 – جمادی الاوّل / جمادی الثانی

مدیرہ
مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب
حمیرا نگہت

انچارج بچوں کا گلستان / پکوان
عیشۃ الراضیہ عباسی

اپنی تمام تحریریں اور قیمتی آراء درج ذیل ای میل پر بھجوائیں
aabgeene6@gmail.com
m.abbasi.uk@gmail.com
www.aabgeenei.com

لندن سے جاری ہونے والا
ماہنامہ آبگینے آپ کا اپنا رسالہ ہے اسکی اشاعت و ترویج میں بھرپور حصہ ڈالیئے

فہرست مضامین

درس قرآن کریم	3
اداریہ	4
حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا	6
حضرت مہدی دوراں (قسط اول)	8
دنیا میں دو خیالات کے لوگ ہوتے ہیں	10
خدا تعالی کی صفات رب العالمین	12
حضرت صاحبزادہ عبداللطیفؓ کی جائے شہادت اور مینار	13
قوم تبع	15
بدل جاتی ہے قسمت دعا سے	16
اصلاح معاشرہ میں خواتین کا کردار	18
خدا کی اتھارٹی کو چیلنج کرتے عشق	20
حجاب عورت کے تحفظ کا وعدہ	22
تحریر ڈاکٹر لبنیٰ مرزا	23
نسل در نسل چلنے والی بیوٹی ٹپس	24
خوشی	25
ایک مثالی باپ کیسا ہوتا ہے	26
...عورت کی کامیابی کیلیئے اس کا شادی شدہ ہونا ضروری ہے	28
معاشرہ بنانے میں عورت کا کردار	29
ہمارا معاشرہ اور خواتین کے حقوق	32
تاریخ کی پہلی خاتون ڈاکٹر	33
سائنس کی دنیا پچاس برسوں میں خواتین کے لیے کیسے بدلی	34
گالوں میں پڑنے والا گڑھا اور چاہِ غبغب کی کہانی	36
مرنے سے کچھ پہلے	37
طالبان کے خلاف لڑنے والی...افغان خواتین... پر سوالیہ نشان	38
یہ ہے زندگی کی گاڑی اسے مت روکے	39
21ویں صدی کا تیز رفتار دھارا	40
ہندومت اور ذات پات	42
مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں 10 خواتین اعلیٰ عہدوں پر تعینات	43
عشق و محبت والی انوکھی ہیرو گری	44
بس یہی فکر ہے کہ لوگ کیا کہیں گے	45
بچوں کی غذائی ضروریات پوری کرنے کے طریقے	46
دنیا بھر کے گلی کوچوں میں بکنے والے مشہور پکوان (قسط اول)	48
بلڈ پریشر کے مریضوں کے لیے دہی دوا سے کم نہیں	49
شعر و شاعری	5-9-11-17 22-31-47-49

زیر انتظام عباسی اکیڈیمی
سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّآ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـًٔـا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ○ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ○ وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوۡٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِکۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ (سورۃ البقرہ آیت 230 تا 232)

ترجمہ:

ایسی طلاق (جس میں رجوع ہو سکے) دو دفعہ (ہوسکتی) ہے۔ پھر (یا تو) مناسب طور پر روک لینا ہوگا یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا ہوگا اور تمہارے لئے اس (مال) کا جو تم انہیں پہلے دے چکے ہو کوئی حصہ بھی (واپس) لینا جائز نہیں۔ سوائے اس (صورت) کے کہ ان (دونوں) کو اندیشہ ہو کہ وہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ سو اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ (دونوں) اللہ کی (مقرر کردہ) حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو وہ (عورت) جو کچھ بطور فدیہ دے اس کے بارہ میں ان (دونوں میں سے کسی) کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اس لئے تم ان سے باہر نہ نکلو اور جو لوگ اللہ کی (مقرر کردہ) حدوں سے باہر نکل جائیں تو (سمجھ لو کہ) وہی لوگ (اصل) ظالم ہیں۔

پھر اگر (اوپر کی بیان کردہ دو طلاقوں کے گزر جانے کے بعد بھی خاوند اسے تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ عورت اس کے لئے جائز نہ ہوگی جب تک کہ وہ اس کے سوا (کسی) دوسرے خاوند کے نکاح میں نہ آ جائے لیکن اگر وہ (بھی) اسے طلاق دے دے تو ان دونوں کو بشرطیکہ انہیں یقین ہو کہ وہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدوں کو قائم رکھ سکیں گے آپس میں دوبارہ رجوع کر لینے پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں جنہیں وہ علم والے لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے۔

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو۔ اور وہ اپنی مقررہ مدت (کی آخری حد) کو پہنچ جائیں تو یا تو انہیں مناسب طور پر روک لو 5 یا انہیں مناسب طور پر رخصت کر دو۔ اور انہیں تکلیف دینے کے لئے (اس نیت سے) کہ (بعد میں پھر) ان پر زیادتی کرو مت روکو۔ اور جو شخص ایسا کرے تو (سمجھو کہ) اس نے اپنی (ہی) جان پر ظلم کیا ہے اور تم اللہ کے احکام کو محل تمسخر نہ بناؤ اور تم پر جو اللہ کا انعام (ہوا) ہے (اس کو) یاد رکھو اور (اسے بھی یاد رکھو) جو اس نے تم پر اتارا ہے یعنی کتاب اور حکمت (کو) وہ اس کے ذریعہ سے تمہیں نصیحت کرتا ہے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جان لو کہ اللہ ہر ایک بات کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر:

عام طور پر اس زمانہ کے علماء یہ سمجھتے ہیں کہ جس نے تین دفعہ طلاق کہہ دیا اس کی طلاق بائن ہو جاتی ہے یعنی اس کی بیوی اس سے دوبارہ اس وقت تک شادی نہیں کر سکتی جب تک کسی اور سے نکاح نہ کر لے مگر یہ غلط ہے کیونکہ قرآن کریم میں صاف فرمایا گیا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ یعنی وہ طلاق جو بائن نہیں وہ دو دفعہ ہو سکتی ہے اس طور پر کہ پہلے مرد طلاق دے پھر یا تو طلاق واپس لے لے اور رجوع کرے یا عدت گزرنے دے اور نکاح کرے۔ پھر اَن بَن کی صورت میں دوبارہ طلاق دے۔ پس ایسی طلاق کا دو دفعہ ہونا تو قطعی طور پر ثابت ہے۔ پس ایک ہی دفعہ تین یا تین سے زیادہ بار طلاق کہہ دینے کو بائن قرار دینا قرآن کریم کے بالکل خلاف ہے۔ طلاق وہی بائن ہوتی ہے کہ تین بار مذکورہ بالا طریق کے مطابق طلاق دے اور تین عدتیں گزر جائیں۔ اس صورت میں نکاح جائز نہیں' جب تک کہ وہ عورت کسی اور سے دوبارہ نکاح نہ کرے اور اس سے بھی اس کو طلاق نہ مل جائے۔ لیکن ہمارے ملک میں یہ طلاق مذاق ہو گئی ہے اور اس کا علاج حلالہ جیسی گندی رسم سے نکالا گیا ہے۔ تمہیں یعنی ملتِ اسلامیہ یا اسلام پر ایمان رکھنے والی حکومت کو۔

اِنۡ خِفۡتُمۡ میں بتایا گیا ہے کہ اگر محکمہ قضا اس بات کا فیصلہ کرے کہ عورت خاوند کے پاس رہنے کے لئے راضی نہیں اور اس کی نارضامندی کی وجہ سے مرد بھی عدل نہ رکھ سکے گا' تو عورت اگر کچھ دینا چاہے تو مرد کو اجازت ہے کہ کچھ مال لیکر اسے طلاق دے دے۔ لیکن وہ صرف اتنا ہی مال لے سکتا ہے جتنا اس نے خود دیا ہو اور کچھ نہیں۔

بَلَغۡنَ اَجَلَ کے دو معنے ہیں۔ یہ بھی کہ مدت کے خاتمہ کے قریب پہنچ گیا اور یہ بھی کہ مدت پوری کر لی۔ اس جگہ پہلے معنے مراد ہیں۔ علامہ قرطبی ہسپانوی مفسر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اول الذکر معنوں پر تمام علمائے امت کا اتفاق ہے۔ کسی نے اس کے خلاف نہیں کہا۔ عربی کا محاورہ ہے کہ جب مسافر شہر کے قریب پہنچتا ہے تو کہتا ہے کہ بَلَغۡنَا الۡبَلَدَ ہم شہر پہنچ گئے۔ اُردو میں بھی یہ استعمال کثرت سے پایا جاتا ہے فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ میں اس بات پر زور دیا کہ عورتوں سے دو ہی قسم کا سلوک کرنے کا حکم ہے۔ یا تو انہیں مناسب رنگ میں اپنے پاس رکھ لو یا مناسب رنگ میں رخصت کر دو۔ یہ نہ ہو کہ تم اس نیّت کے ساتھ رجوع کرو کہ بعد میں پھر اسے دکھ دینے کا ایک موقع تمہارے ہاتھ آ جائے گا۔

"ان کو روک لو" سے مراد یہ ہے کہ رجوع کر لو اور طلاق واپس لے لو۔ مگر فرماتا ہے یہ رجوع معروف طریق پر ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ عورت کی بدنامی ہو اور یا پھر ان کو طلاق تو دے دو مگر طلاق دیتے وقت بھی یہ خیال رکھو کہ ان کے ساتھ حسن سلوک ہو۔ ان کو ذلیل اور بدنام نہ کرو۔

❁❁❁

اداریہ

محبت

مدثرہ عباسی

مدیرہ

"محبت" ایک ایسا لفظ ہے جو معاشرے میں بیشتر پڑھنے اور سننے کو ملتا ہے۔ اسی طرح معاشرے میں ہر فرد اس کا متلاشی نظر آتا ہے اگرچہ ہر متلاشی کی سوچ اور محبت کے پیمانے جدا جدا ہوتے ہیں۔ جب ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات چڑھتے سورج کے مانند واضح ہوتی ہے کہ اسلام محبت اور اخوت کا دین ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ تمام لوگ محبت، پیار اور اخوت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ مگر قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں محبت کو غلط رنگ دے دیا گیا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ "محبت" کے لفظ کو بدنام کر دیا گیا ہے۔ صورت حال اس حد تک بگڑ چکی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے حقیقی محبت کا اظہار کرنا چاہے تو وہ بھی تذبذب کا شکار رہتا ہے جبکہ اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ جس سے محبت ہو اس سے محبت کا اظہار بھی کیا جائے۔ اس تمام صورت حال کا سبب فقط اسلامی تعلیمات سے دوری ہے۔ اسلام نے محبت کی تمام راہیں متعین فرما دی ہیں۔

قرآن وحدیث میں محبت کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

قُل اِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغفِر لَكُم ذُنُوبَكُم وَاللهُ غَفُوْر الرَّحِيْم ۔ال عمران ۳۲

ترجمہ: تو کہہ دے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اس میں سرفہرست بندوں کا اپنے رب سے محبت کرنا ہے۔ تمام کائنات سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کو جزوِ ایمان قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پر کسی اور شخص یا چیز کی محبت غالب نہیں آتی۔ مومنوں کی اس محبت کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

جبکہ وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ کی محبت میں (ہر محبت سے) زیادہ شدید ہیں (البقرہ ۱۶۶)

اسلام امن و امان، اخوت اور محبت کا دین ہے۔ تمام لوگ معاشرے میں امن و امان اور محبت کے ساتھ پرسکون زندگی گزاریں، یہ اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ اسی طرح تمام لوگوں سے محبت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن پاک میں مسلمانوں کے آپس میں محبت کرنے کی بہت فضیلت بیان ہوئی ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ دنیاوی محبت میں یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کو محبت کے بدلے میں محبت ملے یا اُس شدت کی محبت ملے جس شدت سے آپ محبت کرتے ہیں مگر اللہ سے محبت کا معاملہ دوسرا ہے۔ اس کے بدلے اللہ کی طرف سے ناقابلِ بیان اور بیش بہا محبت کا تحفہ ملتا ہے۔ ایک حدیث میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: میرا بندہ مجھ سے جو توقع رکھتا ہے اور جیسا گمان اس نے میرے متعلق قائم کر رکھا ہے ویسا ہی مجھے پائے گا۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ کسی جماعت کے ساتھ بیٹھ کر مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کو یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف بالشت بھر بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف چار ہاتھ بڑھتا ہوں اور اگر وہ میری طرف آہستہ آہستہ آتا ہے تو میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔" (بخاری و مسلم)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: محبت کوئی تصنع اور تکلف کا کام نہیں بلکہ انسانی قویٰ میں سے یہ بھی ایک قوت ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ دل کا ایک چیز کو پسند کر کے اس کی طرف کھنچے جانا اور جیسا کہ ہر یک چیز کے اصل خواص اس کے کمال کے وقت بدیہی طور پر محسوس ہوتے ہیں (بہت کھلے اور واضح محسوس ہوتے ہیں) یہی محبت کا حال ہے کہ اس کے جوہر بھی اس وقت کھلے کھلے ظاہر ہوتے ہیں کہ جب اتم اور اکمل درجہ پر پہنچ جائے۔ خدا تعالیٰ کی صفات کو اپنانا یہی محبت کا راز ہے۔ اصل عبادت وہی ہے جو محبت ذاتی سے ہو نہ کہ کسی فائدے کے لئے۔ پھر ایک جگہ سچی محبت کی علامت بیان فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ:

خدا تعالیٰ کی صفات کو اپنانا یہی محبت کا راز ہے۔ اصل عبادت وہی ہے جو محبت ذاتی سے ہو نہ کہ کسی فائدے کے لئے۔ پھر ایک جگہ سچی محبت کی علامت بیان فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"محبت عجیب چیز ہے۔ اس کی آگ گناہوں کی آگ کو جلاتی اور معصیت کے شعلے کو بھسم کر دیتی ہے۔ سچی اور ذاتی اور کامل محبت کے ساتھ عذاب جمع ہو ہی نہیں سکتا اور سچی محبت کے علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی فطرت میں یہ بات منقوش ہوتی ہے کہ اپنے محبوب کے قطع تعلق کا اُس کو نہایت خوف ہوتا ہے اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ قصور کے ساتھ اپنے تئیں ہلاک شدہ سمجھتا ہے اور اپنے محبوب کی مخالفت کو اپنے لئے ایک زہر خیال کرتا ہے اور نیز اپنے محبوب کے وصال کے پانے کے لئے نہایت بے تاب رہتا ہے اور بُعد اور دُوری کے صدمہ سے ایسا گداز ہوتا ہے کہ بس مر ہی جاتا ہے۔ اس لئے اپنے محبوب ازلی کی جناب میں

دوام استغفار اس کا ورد ہوتا ہے۔ (باقاعدگی سے استغفار کرتا رہتا ہے)۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا میں راضی ہوں تو بیٹھ نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی اطلاع ہونا اس شخص کو مزید استغفار میں اور عبادتوں میں مائل کرتی ہے اور بجالانے کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ فرمایا ”پس محبت کی کثرت کی وجہ سے استغفار کی بھی کثرت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا سے کامل طور پر پیار کرنے والے ہر دم اور ہر لحظہ استغفار کو اپنا ورد رکھتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر معصوم کی یہی نشانی ہے کہ وہ سب سے زیادہ استغفار میں مشغول رہے۔ اور استغفار کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ہر ایک لغزش اور قصور جو بوجہ ضعف بشریت انسان سے صادر ہوسکتی ہے اس امکانی کمزوری کو دور کرنے کے لئے خدا سے مدد مانگی جائے تا خدا کے فضل سے وہ کمزوری ظہور میں نہ آوے۔ اور مستور و مخفی رہے۔“ (چھپی رہے کمزوری۔ ظاہر نہ ہو) ”پھر بعد اس کے استغفار کے معنی عام لوگوں کے لئے وسیع کئے گئے اور یہ امر بھی استغفار میں داخل ہوا کہ جو کچھ لغزش اور قصور صادر ہوچکا خدا تعالیٰ اس کے بدنتائج اور زہریلی تاثیروں سے دنیا اور آخرت میں محفوظ رکھے۔ پس نجات حقیقی کا سرچشمہ محبت ذاتی خدائے عزّوجل کی ہے جو عجز و نیاز اور دائمی استغفار کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور جب انسان کمال درجہ تک اپنی محبت کو پہنچاتا ہے اور محبت کی آگ سے اپنے جذبات نفسانیت کو جلا دیتا ہے تب یکدفعہ ایک شعلہ کی طرح خدا تعالیٰ کی محبت جو خدا تعالیٰ اس سے کرتا ہے اس کے دل پر گرتی ہے اور اس کو سفلی زندگی کے گندوں سے باہر لے آتی ہے اور خدائے حیّ و قیّوم کی پاکیزگی کا رنگ اس کے نفس پر چڑھ جاتا ہے بلکہ تمام صفاتِ الٰہیہ سے ظلّی طور پر اس کو حصّہ ملتا ہے۔ تب وہ تجلیات الٰہیہ کا مظہر ہوجاتا ہے اور جو کچھ ربوبیت کے ازلی خزانہ میں مکتوم و مستور ہے“ (چھپا ہوا ہے) ”اس کے ذریعہ سے وہ اسرار دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ خدا جس نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے بخیل نہیں ہے بلکہ اس کے فیوض دائمی ہیں اور اس کے اسماء اور صفات کبھی معطّل نہیں ہوسکتے۔ ...“ (چشمۂ مسیحی روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۷۸-۳۸۰)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان معیاروں کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنے والے اور اس سے محبت کرنے والے ہوں اور اس کی رضا کی جنتوں میں جانے والے ہوں۔ آمین

❁❁❁

نہیں معلوم

امۃ الباری ناصر

1۔ دل آج اتنا فسردہ ہے کیوں ؟ نہیں معلوم
مری امنگیں ہیں کیوں سرنگوں نہیں معلوم
2۔ عجیب عجز بیاں ہے حجاب حائل ہے
جو میرے دل میں ہے کیسے کہوں ؟ نہیں معلوم
3۔ ہے التفات کبھی بے رخی کبھی ہے سکوت
اس دھوپ چھاؤں کو کیا نام دوں ؟ نہیں معلوم
4۔ ادھورا چھوڑ گئے ہو تو میں یہ سوچتی ہوں
بغیر دل کے اب کیسے جیوں؟ نہیں معلوم
5۔ کہیں بھی ملتے نہیں اب سماعتوں کے مزاج
زباں جو لوگ سمجھتے ہیں کیوں نہیں معلوم؟
6۔ بہت سے ماتھوں کی شکنیں بنی ہیں زنجیریں
خود اپنی مرضی سے کیسے جیوں ؟ نہیں معلوم
7۔ وہ نور ہے کہ ٹھہرتی نہیں نگہ اس پر
میں اس کے حسن کو کیا نام دوں نہیں معلوم

❁❁❁

ضروری اعلان

ادارہ کے مالی حالات کے پیش نظر اور اس کو جاری رکھنے اور مزید ترقی دینے کی خاطر ”ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل“ اور خواتین ڈائجسٹ ”آبگینے“ ،لاہور رسالہ دو زبانوں اردو اور انگریزی میں لندن سے شائع ہوتے ہیں۔ ان تینوں رسالوں کو ادارہ اپنی ذاتی مالی حیثیت کے مطابق کئی سالوں سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ دنیا کے تمام قارئین کیلئے یہ معیاری اور پسندیدہ رسالے ہیں۔ ان کا خاص مقصد معاشرے کی بہتر اصلاح، سچی کھری صحافت اور اسلام کی ترقی کے لئے یہ ایک تبلیغی کوشش ہے۔
یاد رہے ایسے اخبارات اور رسائل کو جاری رکھنے کے لیے ایک بڑا ادارہ یا بزنس مین یا اشتہارات کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں میسر نہیں۔
آپ تمام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کی ماہانہ مالی مدد فرما کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالیئے۔ آپ کی یہ معمولی رقم ہماری ہمت افزائی اور ترقی کا باعث ہوگی۔ آپ اپنی رقم درج ذیل بینک میں جمع کرواسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

Bank Name:
Lloyds Bank PLC
Account Name:
Lahore International LTD
Account Number:
42534160
Sort Code:
30-96-26
IBAN:
GB89 LOYD 3096 2642 5341 60

حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا

فضائل: جبرائیلؑ نے آنحضور ﷺ کو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے امّ کلثومؓ کی شادی عثمانؓ سے رقیہؓ کے برابر حق مہر پر ہی کر دی ہے۔

حضرت امّ کلثومؓ کی تدفین کے موقع پر سورۂ طٰہٰ کی آیت 56 نازل ہوئی کہ اس سے ہی ہم نے تم کو پیدا کیا اور اس میں تمہیں دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ تمہیں نکالیں گے۔

ولادت

حضرت امّ کلثومؓ، حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ سے چھوٹی اور حضرت فاطمہؓ سے بڑی تھیں۔ آپؓ کی ولادت بعثت نبوی سے قبل ہوئی۔ ان کی تاریخ پیدائش کا صحیح علم نہیں ہے۔ حضرت امّ کلثومؓ اپنی کنیت سے ہی معروف ہوئیں۔ اسی وجہ سے ان کا اصل نام بھی کسی کو معلوم نہیں۔

قبول اسلام - نکاح وطلاق

حضرت امّ کلثومؓ نے بھی اپنی والدہ اور بہنوں کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتے ہوئے اسلام قبول کیا تھا۔

حضرت امّ کلثومؓ کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا۔ چنانچہ حضور ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد ابولہب اور امّ جمیل نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو مجبور کیا کہ چونکہ رقیہؓ اور امّ کلثومؓ اب بے دین ہو گئی ہیں اس لئے تم انھیں طلاق دیدو۔ حضرت امّ کلثومؓ کو بھی حضرت رقیہؓ کی طرح رخصتی سے قبل ہی طلاق ہوئی۔ آنحضور ﷺ کے لئے یہ وقت بہت کٹھن تھا جب آپؐ کی دو بیٹیوں کو طلاق دے دی گئی، قبیلہ والوں نے قطع تعلق کر لیا اور آپؐ اور آپؐ کے ماننے والوں پر پے در پے مظالم کئے۔

ہجرت مدینہ

انہی حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے حبشہ ہجرت کا حکم ملا اور پھر خود آنحضرت ﷺ بھی مدینہ ہجرت کر کے چلے گئے۔ حضرت امّ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ مکہ میں ہی رہ گئی تھیں۔ چنانچہ نبی کریمؐ نے مدینہ سے حضرت زیدؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں چند افراد کو مکّہ بھجوایا جو خاموشی اور حکمت عملی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی صاحبزادیوں کو مدینہ لے آئے۔

حضور ﷺ جب مدینہ پہنچے تو آپؐ نے حضرت ابوایوبؓ کے گھر قیام فرمایا۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے بطور قرض لے کر حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت ابورافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم فراہم کئے اور ان دونوں کو اپنے باقی ماندہ اہل بیت کو لانے کیلئے مکہ روانہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اُریقط الدئلی کو بھی دو یا تین اونٹ دیکر بھیجا اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ کو لکھا کہ وہ بھی اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر ان کے ہمراہ آجائیں۔ حضرت زیدؓ نے آنحضور ﷺ کے اہل بیت میں سے امّ المومنین حضرت سودہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت امّ کلثومؓ کو ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہونا تھا۔ اہل بیت کے ان افراد کے ساتھ حضرت زیدؓ کی بیوی حضرت امّ ایمنؓ اور بیٹا اسامہؓ بھی تھے۔ حضرت زیدؓ نے اپنے ساتھ حضرت زینبؓ بنت رسولؐ کو بھی لیکر جانا چاہا لیکن کفار قریش نے ان کو روک لیا۔ حضرت رقیہؓ اپنے شوہر حضرت عثمان بن عفانؓ کے ساتھ اس سے قبل ہی حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کر چکی تھیں۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ نے مکہ پہنچتے ہی واپسی سفر کا انتظام کیا اور اپنی بیوی حضرت امّ ایمنؓ، اپنے بیٹے اسامہؓ اور رسول اللہ ﷺ کے اہل وعیال کے ساتھ مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ اپنی والدہ حضرت امّ رومانؓ اور اپنی دو بہنوں حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ کو لیکر نکلے۔ یہاں تک کہ سب خیر وعافیت سے مدینہ پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد نبوی اور اسکے ارد گرد گھر بنا رہے تھے، آپؐ نے اپنے ان اہل خانہ کو حضرت حارثہ بن نعمانؓ کے گھر میں ٹھہرایا۔

حضرت عثمانؓ سے شادی

حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد نبی کریم ﷺ وحی الٰہی کی بناء پر حضرت عثمانؓ کو مسجد کے دروازے پر ملے اور فرمایا اے عثمانؓ! یہ جبرائیلؑ ہے جس نے مجھے خبر دی ہے کہ

اللہ نے آپؓ کا نکاح ام کلثومؓ سے رقیہؓ کے مہر کے برابر اور انہی جیسی مصاحبت پر کر دیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا خدا نے مجھے بذریعہ وحی بتایا ہے کہ میں اپنی دو معزّز بیٹیوں کی شادی عثمانؓ سے کروں۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب نے بھی اس دوران اپنی بیٹی حفصہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کرنے کی خواہش کی تھی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کیا میں تجھے بہترین داماد کے متعلق نہ بتاؤں؟ انہوں نے عرض کیا، جی یارسول اللہ ﷺ۔ فرمایا میں تمہارے لئے اور عثمانؓ میرے لئے بہترین داماد ہیں۔ اس طرح منشاء الٰہی کی بنا پر حضرت رقیہؓ کے بارہ اوقیہ حق مہر پر ہی آنحضور ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو اپنے عقد میں لے لیا اور اپنی بیٹی امّ کلثومؓ کی شادی 3 ہجری میں حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں میں سے کسی کا حق مہر بارہ 12 اوقیہ سے زیادہ نہیں تھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت امّ

کلثومؓ کی شادی کی تو آپؐ نے امّ ایمنؓ سے فرمایا کہ میری بیٹی کو تیار کر دو اور اسے دلہن بنا کر عثمانؓ کے پاس لے جاؤ۔ اور اسکے آگے دف بجاتی جانا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت عثمانؓ کا حسن سلوک

نبی کریم ﷺ شادی کے تیسرے دن ان کے گھر تشریف لے گئے اور حضرت امّ کلثومؓ سے ان کا اور ان کے شوہر کا حال پوچھا اور فرمایا کہ تو نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ عرض کی، بہترین شوہر۔ تو نبی کریمؐ نے فرمایا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ تمہارے میاں لوگوں میں سے سب سے زیادہ آپ کے جدّ امجد ابراہیمؑ اور تمہارے باپ محمد ﷺ سے مماثلت رکھتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے شادی کے بعد آنحضور ﷺ کی اس صاحبزادی کا بھی خاص خیال رکھا۔ اور ان کے لئے باعزّت لباس وطعام کا انتظام کیا۔ حضرت انس بن مالکؓ جو دس سال کی عمر سے رسول اللہ ﷺ کے گھر خادم تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی امّ کلثومؓ کو ریشم کی گندمی چادر پہنے دیکھا۔

حضرت امّ کلثومؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضور ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میرے خاوند بہتر ہیں یا فاطمہؓ کے؟ پہلے تو رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ پھر فرمایا تیرا خاوند ان افراد میں سے ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اور اس کا رسول بھی اسے چاہتے ہیں۔ آپؓ واپس جانے لگیں تو حضور ﷺ نے واپس بلایا اور فرمایا کہ میں نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے کہا، آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ میرا خاوند ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ اور رسول سے محبت کرتے ہیں اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا! ہاں ٹھیک کہتی ہو، اور میں اس پر زائد یہ کہتا ہوں "میں جنت میں داخل ہوا اور میں نے اس میں تیرے خاوند سے مقام و مرتبہ میں برابر کسی اور صحابی کو نہیں دیکھا"

وفات

حضرت امّ کلثومؓ بھی حضور ﷺ کی زندگی میں ہی شعبان 9 ہجری میں فوت ہوئیں۔ آپؓ کی نماز جنازہ آنحضور ﷺ نے خود پڑھائی اور آپؓ کی قبر کے پاس بیٹھے رہے۔ جبکہ حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباسؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ قبر میں اترے۔

حضرت لیلیٰؓ بنت قانف الثقفیہ روایت کرتی ہیں کہ میں ان عورتوں میں شامل تھی جنھوں نے حضرت امّ کلثومؓ کو انکی وفات پر غسل دیا تو کفن کیلئے خود رسول کریم ﷺ دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے۔ آپؐ باری باری ہمیں کفن کے کپڑے پکڑاتے تھے۔ آپؐ نے پہلے تہہ بند کیلئے کپڑا دیا پھر قمیص دی، پھر اوڑھنی اور لفافہ دیا۔ اس کے بعد ان کو ایک کپڑے میں لپیٹ دیا۔

حضور ﷺ نے جب حضرت امّ کلثومؓ کو قبر میں رکھا تو یہ قرآنی آیت تلاوت فرمائی۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ (طٰہٰ:56) یعنی اس سے ہی ہم نے تم کو پیدا کیا اور اس میں تمہیں دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ تمہیں نکالیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ آپؐ نے بِسْمِ اللّٰهِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کی دعا پڑھی یا نہیں۔ جسکا مطلب ہے کہ اللہ کے نام کے ساتھ اور اسکی راہ میں اور اسکے رسول کی ملت پر۔ پھر جب آپؓ کی لحد تیار ہو گئی تو نبی کریم ﷺ قبر بنانے والوں کو مٹی کے ڈھیلے اٹھا کر دیتے تھے اور فرماتے تھے ان سے اینٹوں کی درمیانی درزیں بند کرو پھر فرمانے لگے کہ مردے کیلئے ایسا کرنے کی کوئی ضرورت تو نہیں لیکن اس سے زندہ لوگوں کے دل کو ایک اطمینان ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی بیٹی حضرت امّ کلثومؓ کے جنازہ میں حاضر تھے۔ حضور ﷺ قبر کے پاس بیٹھے آنسو بہا رہے تھے۔ حضورؐ کے ارشاد پر حضرت ابوطلحہؓ ان کی قبر میں اترے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ عثمانؓ بن عفان کا رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ نور ہے۔ پوچھا گیا کہ نور سے کیا مراد ہے؟ فرمایا یہ نور آسمانوں، جنتوں اور آفتاب کا نور ہے۔ اور یہ نور خوبصورت حوروں سے زیادہ تابناک ہے، اور میں نے اپنی دو بیٹیاں اس نور کے عقد میں دی ہیں۔ اسی لئے اللہ نے ان کا نام ملأ اعلیٰ میں ذوالنور رکھا ہے اور جنت میں ذوالنورین۔ پس جو کوئی حضرت عثمانؓ کو برا بھلا کہے گا اس نے مجھے برا بھلا کہا۔

حضرت امّ کلثومؓ کی وفات پر حضرت عثمانؓ کے اخلاص و وفا کو دیکھتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر میری دس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے تم سے بیاہ دیتا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(بحوالہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم از حافظ مظفر احمد صاحب)

❀❀❀

ادارتی پالیسی

آبگینے خواتین ڈائجسٹ کی ادارتی پالیسی واضح ہے مذہبی اور غیر مذہبی نقطۂ نظر پر اور اظہار آزادی پر کوئی پابندی نہیں۔ یہ سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی، تعصب اور عصبیت سے پاک ہے۔ اس کا کسی طبقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تمام مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو خوش دلی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ اپنا مؤقف بلا خوف و خطر بیان کیجیے۔ لیکن دوسروں کے جذبات کا احترام آپ کا اور ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ اپنا مضمون یا منظوم کلام ہمیں بھیجنے سے قبل اس کو اچھی طرح سے پڑھ لیں تاکہ کمپوزنگ (ٹائپ) کی غلطیاں آپ خود نکال سکیں۔ تحریر میں غلطیاں کم ہونے کی صورت میں جلد قابل اشاعت ہو گی۔ یاد رہے متن میں تبدیلی کرنا ایڈیٹر کا اختیار ہوتا ہے۔ ضروری امر یہ ہے کہ مضمون یا کلام وہی قابل اشاعت ہو گا جو پہلے کسی اخبار یا انٹرنیٹ سوشل میڈیا پر شائع نہ ہوا ہو۔ علاوہ ازیں آپکی تحریر ایک ہزار الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔ بعض صورتوں میں استثناء دیا جا سکتا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ

مدیرہ عباسی
مدیرہ

''حضرت مہدیٔ دوراں''

(قسط اوّل)

خواتین وحضرات! نئے سال 2022ء کے آغاز سے ادارہ آبگینے اپنے محترم قارئین کے لئے ایک سلسلہ وار مضامین کا آغاز کر رہا ہے۔جس کا عنوان ''حضرت مہدیٔ دوراں'' ہے۔اس بابرکت وجود مامور من اللہ (مہدیٔ و مسیح موعودؑ) جس نے چودھویں صدی میں ظاہر ہونا تھا۔اس سے متعلق قرآن واحادیث اور دیگر واقعات اور پیشگوئیوں دلائل کی روشنی میں آپ کو بتائیں گے کہ جس کا دنیا میں اسلام اور دیگر مذاہب کے لوگ واقوام شدت سے منتظر ہیں اُس کا ظہور حسبِ وعدہ نبی کریم ﷺ ہو چکا ہے۔یہ اس سلسلہ کا پہلا مضمون ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان مضامین کو پڑھنے سے سعید روحیں سلسلہ میں داخل ہوں اس سے بھرپور فائدہ اُٹھانے والے ہوں اور اپنی روحانی پیاس بجھائیں۔حضرت مرزا طاہر احمدؒ شعر کی صورت میں فرماتے ہیں:

ضرور مہدیٔ دوراں کا ہو چکا ہے ظہور
ذرا سا نورِ فراست نکھار کر دیکھو

مضمون کا یہ پہلا حصہ جو مولانا سلطان محمود انور صاحب نے محمد اشرف ناصر مربی سلسلہ کی کتب صفحہ 15 میں تحریر ہوا پیش خدمت ہے۔

دورِ حاضر میں دنیا کی آبادی تین واضح طبقوں میں تقسیم شدہ ہے۔یہ طبقے حسبِ ذیل ہیں:

اوّل:۔ خدا کی ہستی کا منکر طبقہ۔جس میں اشتراکیت اور دہریت سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ دوئم:۔ اسلام کے سوا دیگر مذاہب مثلاً عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور سکھ دھرم سے وابستہ لوگ واقوام۔سوئم: اسلام سے تعلق رکھنے والے قریباً 2/11ارب افراد جو دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

آج کی دنیا میں ذرائع ابلاغ ورسل ورسائل کی فراوانی اور آمد ورفت ومیل ملاپ کے رجحانات کی ترقی کے نتیجہ میں مندرجہ بالا تینوں طبقات کے خیالات اور نظریات ایک دوسرے پر اس طرح اثر انداز ہو چکے ہیں کہ جس کے نتیجہ میں ساری دنیا کی آبادی ایک شدید قسم کی کنفیوژن کا شکار ہو چکی ہے۔کسی کو کچھ نہیں سُوجھتا کہ خیالات ونظریات کے وسیع الجھاؤ اور عالمگیر آویزش میں سچائی اور راستی کہاں سے ہاتھ لگ سکتی ہے۔

مُخبر صادق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے آج کے معاشرہ کی عالمگیر کیفیات کا خصوصی علم بخشا گیا تھا۔اور سب سے بڑھ کر اُمّتِ مسلمہ کے خطرناک انتشار اور افسوسناک تنزّل کی بابت بڑی تفصیلات آپ ﷺ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر فرمائی گئیں۔جن کے پیش نظر آنحضرت ﷺ کو سخت تشویش ہوئی۔اور اپنے ربّ کریم سے آنحضرت ﷺ نے اُمّت مسلمہ کے احیاءِ نو اور انسانی معاشرہ کے عالمگیر بگاڑ کے رُوبہ اصلاح ہونے کے لئے فریاد کی۔تو خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر یہ بشارت نازل کی گئی کہ اُمّت مسلمہ کے خصوصاً اور انسانی معاشرہ کے عموماً احیاءِ نو کے لئے اُمّت مسلمہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام عین وقت پر ظہور فرما ہوں گے جو اُمت محمدیہؐ کی بگڑی تقدیر کو دوبارہ سنواریں گے۔لیکن اپنے ذاتی کمال کے فیض سے نہیں بلکہ خود سرورِ کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فیض کو لُٹائیں گے اور انسانی معاشرہ کے احیاءِ نو کا سارا کریڈٹ خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہی دامن میں رہے گا۔

آج کی دنیا کے مندرجہ بالا تینوں طبقوں میں سے پہلے دو سے تعلق رکھنے والی اقوام کے لئے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے تصور کو قبول کرنا چنداں مشکل ہو سکتا ہے۔لیکن دنیا کے 2/11ارب مسلمانوں کے لئے امام مہدی کا تصور نیا نہیں بلکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ گزشتہ تیرہ صدیاں عالمِ اسلام نے امام مہدی کے انتظار میں ایک ایک دن کر کے گزاری ہیں۔اور چودھویں صدی کا آغاز ان توقعات کے ساتھ کیا گیا کہ عالَم اسلام کا بچہ بچہ امام مہدی کے لئے سراپا انتظار بن چکا تھا۔صبح و شام کان ایسی آواز سننے کے لئے بے چین تھے۔کہ امام مہدی حسبِ وعدۂ نبوی ﷺ ظہور ہو گیا ہے۔نگاہیں بڑی اضطراب کی کیفیت میں امام مہدی کی زیارت کے لئے پریشان تھیں۔دن گزرتے گئے۔ہفتے، مہینے اور برس پر برس بیتنے لگے کی آخر کار انتظار کی پوری صدی جو بالاتفاق اسلامی تاریخ کی چودھویں صدی تھی اپنے انجام کو پہنچ گئی اور دنیا پندرھویں صدی میں داخل ہو گئی۔دنیا کے تین طبقے اپنی ساری کوششیں کر کے اب دَم توڑ رہے ہیں کہ معاشرہ میں کوئی اصلاح کی شکل وجود پذیر ہو مگر بات بنتی نہیں بلکہ لمحہ بہ لمحہ بگڑتی جارہی ہے اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اشتراکیت کے قلعوں میں شگاف پڑ چکے ہیں۔ادیانِ باطلہ اپنے مستقبل سے بکلّی مایوس ہو چکے ہیں۔اور عالَم اسلام کی حالت ان دونوں سے نہ صرف مختلف نہیں بدتر ہے۔

گزشتہ دنوں جماعت اسلامی کے موجودہ امیر جناب قاضی حسین احمد کا ایک بیان اخبارات میں نظر سے گزرا۔جس میں آپ فرماتے ہیں۔''دنیا کے نقشہ پر رونما

ہونے والی زبردست تبدیلیاں کسی نجات دہندہ کی منتظر ہیں۔"

(نوائے وقت کراچی 31 دسمبر 1989ء)

یہ بیان دراصل اُس فطری آواز کی خبر دیتا ہے جو دنیا بھر میں بستی بستی قریہ قریہ بلکہ کُوچہ کُوچہ بلند ہو رہی ہے اور جس انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے فطرت کی آواز سُننے کی صلاحیت بخشی گئی ہے وہ دن رات ہر سُو ایسی آواز کو بخوبی سن سکتا ہے۔ دنیا بھر کے نظام اور ازم اور مذاہب اپنی اپنی اصلاح کی کوشش کر چکے اور ناکامی پہ ناکامی دیکھنی پڑی۔ تو اب صرف ایک ہی اُمید باقی ہے کہ مُخبر صادق ﷺ کی چودہ سو سال قبل بتائی گئی بشارت کے مطابق امام مہدی کا دامن تلاش کیا جائے۔ اس کے بغیر کسی اور نجات دہندہ کا تصور مخبر صادق ﷺ کو جھٹلانے کے مترادف ہو گا۔ جس کی کسی مسلمان سے ہرگز توقع نہیں کی جا سکتی۔ جناب مولانا محمد اشرف ناصر نے "حیاتِ مہدی دوراں" کتاب میں ایک ایسی ہی شخصیت سے پردہ اُٹھایا ہے۔ جس کی آج صرف عالَم اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے جملہ طبقوں کو اشد ضرورت اور حقیقی انتظار ہے اور جس کے ہاتھ میں آج کے عالمگیر بگاڑ اور بے مثال کنفیوژن کا شافی علاج ہے۔ ایسے خدا رسیدہ انسانوں کو جو معاشرہ کی اصلاح کے لئے آتے رہے حضرت آدم علیہ السلام کے دَور سے لے کر آج تک پہچاننے میں اہل دنیا نے ہمیشہ غلط اندازے لگائے اور اپنی توقعات کو خدائی منشا سے بالا قرار دیتے رہے۔ یہی روش آج بھی اہل دنیا نے اپنا رکھی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ امام مہدی کے رُوپ میں عین وقت پر آنے والی شخصیت کو آج سو سال گزرنے پر بھی دنیا کی نگاہیں پہچاننے میں عاجز چلی آ رہی ہیں۔ جناب اشرف ناصر نے اس شخصیت کے چند پہلوؤں کو ہی اختصار مگر مدلل رنگ میں پیش کیا ہے۔ لیکن طلب اور تلاش کے جذبہ کو اُبھارنے میں یہ کوشش انشاء اللہ مفید اور مؤثر ثابت ہو گی۔ بہر حال یہ کتاب ہر احمدی گھرانہ میں موجود ہونی چاہیے۔ جسے نہ صرف وہ خود مطالعہ کریں بلکہ اپنے دوستوں کو بھی مطالعہ کروانے کی کوشش کریں۔

یہاں اس امر کی طرف اشارہ کر دینا کافی ہو گا کہ جن نگاہوں نے اس عظیم شخصیت کو پہچانا اور قدر شناسی سے کام لیا۔ وہ آج کے عالمگیر انتشار اور بگاڑ کے ماحول میں ایسے باہمی رشتوں میں پروئے گئے کہ رنگ و نسل اور علاقائی و جغرافیائی بندھنوں سے یکسر آزاد ہو کر عالمگیر اخوت والفت کے بے مثال رشتہ کی لڑی میں پروئے گئے۔ جہاں وہ دنیا کے 200 ممالک میں پھیلے ہونے کے باوصف ایک امام، ایک نظام ایک مرکز ایک پروگرام اور ایک منزل کے لئے وقف ہو چکے ہیں۔ ایسی "یکتائی" یا "اکائی" کا قیام عظیم الشان معجزہ ہے۔ جو حضرت امام مہدی کے سوا کسی کے بس میں نہیں تھا۔ اور یہی "اکائی" آج کے منتشر معاشرہ کا حتمی اور یقینی علاج ہے۔ کاش کوئی ٹھنڈے دل سے غور کر سکے۔

عنقریب وہ وقت آنے والا ہے۔ جس کے متعلق حضرت امام مہدی نے فرمایا۔

امروز قوم من نہ شناسد مقامِ من
رُوزے بگریہ یاد کنند ایں وقتِ خُوشترم

❁❁❁

غزل

منزہ مظفر پاکستان

نہ کر اپنے آپ پہ مان تُو
اپنی حقیقت کو ذرہ پہچان تُو
کیوں غرور و تکبر لیے پھرتا ہے تُو
کیوں رکھتا نہیں خوف خدا کا تُو
اُس کے منہ پہ اُس کا میرے منہ پہ میرا
کیا واقعی سچ میں ایسا ہے تُو
نا انصافی رشوت اور ظلم و ستم سے
کیا اپنی دنیا سنوارنا چاہتا ہے تُو
جھانک کر دیکھ اپنے نفس میں تُو
اے ابنِ آدم کیا حقیقت میں ایسا ہے تُو

❁❁❁

دنیا میں دو خیالات کے لوگ ہوتے ہیں

سورۃ آل عمران آیت 43 کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت حاجی الحرمین مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں:

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ: دنیا میں دو خیالات کے لوگ رہتے ہیں ایک وہ جو ہر بات میں عالَم اسباب پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ کسی قدرت کے اسباب کے سوا قائل نہیں۔ وہ ہر امر میں ایک باریک در باریک راہ نکال لیتے ہیں اور اسی کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اگر ناکام رہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ کوئی خاص سبب جو اس سلسلہ اسباب میں کامیاب ہونے کے لئے ضروری تھا رہ گیا۔ اگر اس کا علم ہو جاتا تو کبھی ناکام نہ رہتے۔ یہ وہ ہیں جن کا سورہ بقرہ میں فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (البقرۃ:201) کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

ایک وہ ہیں جو عالَم اسباب کو بالکل ہی نہیں مانتے۔ وہ اپنے آپ کو مُردہ بدست زندہ سمجھتے ہیں مگر تعجب ہے کہ عالَم اسباب کی کچھ قدر نہیں لیکن ضرورت کے وقت بھیک مانگ لیتے ہیں۔ بدبختی سے اس ملک میں ایک عظیم الشان انسان گزرا ہے جس نے زمانہ کے مصائب کو دیکھ کر عالَم اسباب کو ترک کرنا چاہا مگر اس کے پیرو ایسی غلطی میں پڑے کہ عالَم اسباب کو ترک کا دعویٰ کر کے عالَم اسباب کے ارزل ترین پیشہ میں جا پڑے (یعنی بھیک)۔ وہ نفسانی خواہشوں کے مارنے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر آخر انہی میں گرفتار ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان دونوں خیالات کے لوگوں کو ناپسند کیا ہے۔ اس کو تو یہ راہ پسند ہے وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرۃ:202)۔ عالَم اسباب کی رعایت بھی نہ رہے اور پھر خدا پر توکل بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عالَم شہادت میں پیدا کیا ہے۔ ایک عالَم غیب بھی ہے۔ ساری چیزوں میں تین باتیں ہوتی ہیں۔ ذات، صفات، افعال۔ ذوات محسوس نہیں ہوتے۔ ہاں صفات سے ہم یقین کرتے ہیں کہ کوئی ذات ہے اور صفات کا علم افعال سے ہوتا ہے اور وہ موصوف جو ہے وہ عالم غیب میں ہے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے بڑی محنت سے کشاورزی کرتے ہیں پھر فصلوں کو کاٹا ہے مگر کھلیان کو آگ لگ گئی اور سب محنت برباد ہوگئی۔ عالم اسباب کے معتقد کہہ سکتے ہیں احتیاط نہیں کی۔ یہ سچ ہے کہ عالم اسباب کی رعایت ضروری ہے مگر اللہ کی مرضی بھی کوئی چیز ہے۔ اس بات کا ذکر خدا تعالیٰ نے ایک آیت میں کیا ہے وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا (الکھف:85) لیکن اسباب موافق مقصد کا حصول بھی اللہ کے فضل پر موقوف ہے۔ اور ایک جگہ منافقوں کے عذر کا ذکر کر کے ہم جنگ میں نہیں جا سکے فرماتا ہے یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا (الاحزاب:14) اگر وہ نکلنا چاہتے تو پھر ہم اسباب بھی مہیا کر دیتے۔ چونکہ عالم اسباب کے کارخانے میں ہمارا علم محیط نہیں اس لئے ان کے مناسب موقع حصول کے لئے الٰہی امداد کی ضرورت ہے۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اس کے آگے پھر انسان کا بس نہیں چلتا بلکہ خدا کی توفیق و یاوری کی ضرورت ہوتی ہے۔ نام زنگی کافور نہند کا یہ مطلب بھی ہے کہ وہ سیاہی کے تمام مدارج کو طے کر چکا ہے بس آگے سفیدی ہی ہے اسی طرح نااُمیدی جب حد کو پہنچی تو سمجھو اُمیّد آئی۔

حضرت یسعیاہ کی کتاب باب 54 سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مکہ معظّمہ کی نسبت ذکر فرمایا ہے کہ یہ شہر عروسِ عرب ہے۔ اس پر خطرناک مایوسی ہوگی۔ اس کا کوئی بیٹی بیٹا لائق نہ ہوگا۔ وہ خطرناک غلطیوں میں مبتلا ہوں گے۔ پر آخر اس مایوسی میں اُمیّد۔ اس ظلمت میں خورشید نظر آئے گا۔ یہاں بطور تمثیل مریمؑ اور زکریاؑ کا ذکر کرتا ہے کہ دونوں نے اسباب موجود نہ ہونے کی صورت میں اپنی مُراد پائی۔ اِسی طرح مکّہ عروسِ عرب ہے (یاد رہے کہ شہر کو عروس کہنا عام ہے لندن کو عروس البلاد کہتے ہیں شام کو عروسِ عسقلان) اس کا بھی ایک بیٹا ہے جو مظفر و منصور ہوگا۔ اس کے مقابلہ میں جو آئے گا ناکام رہے گا۔ بڑی بڑی طاقتوں سے لوگ اُٹھتے ہیں مگر معاً ہلاک ہوتے ہیں۔ کام وہی ہوتا ہے جو خدا کرے۔ دیکھو بنگالی ہیں ان کے نادان بچّوں نے گورنمنٹ کے مقابلہ میں شرارت کی مگر ناکام رہے۔

میں بارہا وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ (البقرۃ:103) اور وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ (البقرۃ:103) کی تفسیر میں یہ سمجھا چکا ہوں کہ کبھی کسی خفیہ کمیٹی، مخفی منصوبے میں شامل نہ ہو۔ یہی پاک تعلیم انبیاء کی ہے کہ ان کی کوئی بات مخفی نہیں ہوتی۔ ہمارے حضرت صاحب (مسیح موعودؑ) کو اگر کوئی خلوت میں کچھ کہتا تو آپ اتنے زور سے گفتگو کرنے لگتے کہ نیچے گلی میں چلنے والے سُن سکتے۔ ان مخفی کمیٹیوں کی ہزار ہزار صفحے کی کتابیں مَیں نے پڑھی ہیں۔ یہ مدّت سے قائم ہیں مگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت عثمانؓ تک ان کا نام و نشان نہیں ملتا۔ یہ اُن کا رُعب اور ان کی قدرت نمائی تھی کیونکہ خدا نے اعلان کرا دیا تھا وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرۃ:103) میری بڑی عمر ہوگئی۔ میں بچہ تھا پھر جوان ہوا پھر ادھیڑ پھر بوڑھا مگر مَیں آج تک کبھی کسی خفیہ محفل یا کمیٹی یا جلسہ میں شامل نہیں ہوا۔ میرا

ایک بہت پیارا دوست شہر میں تھا مگر میں نے اس سے بھی کبھی مخفی ملاقات نہ کی نہ مخفی اس سے گفتگو رکھی۔ یہ خدا کا مجھ پر بڑا فضل ہے جو منصوبہ بازوں کو حاصل نہیں ہوسکتا وہ مجھے حاصل ہوا۔ مَیں تمہیں کہاں تک سُناؤں۔ سُناتے سُناتے تھک گیا مگر خدا کی نعمتوں کے بیان کرنے مَیں نہیں تھکتا اور نہ مجھے تھکنا چاہیے۔ اس نے مجھ پر بڑے بڑے فضل کئے۔ یہاں ایک اخبار کے ایڈیٹر نے اپنی نظم چھاپی۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ مَیں اسے پڑھتا اور سجدہ میں گر جاتا۔ چونکہ وہ بہت درد سے لکھی ہوئی تھی اس لئے اس نے میرے دَردمند دل پر بہت اثر کیا۔ وہ صوفیانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی نظم تھی۔ مَیں جس بات پر شکر ادا کرتا وہ یہ تھی کہ خدا مجھ پر وہ وقت لایا ہی نہیں کہ مجھے معلوم نہ تھا۔ میں نے ہوش سنبھالتے ہی مولوی خرم علی، مولوی اسمٰعیل، مولوی محمد اسحٰق کی کتابوں نصیحۃ المسلمین، تقویۃ الایمان، روایات المسلمین کو پڑھا اور ان سے توحید کا وہ سبق پڑھا کہ ہر غلطی سے بحمدِ اللہ محفوظ رہا۔

غرض خدا تعالیٰ جن کو نوازتا ہے ان کے لئے عالمِ اسباب کو بھی ان کا خادم کر دیتا ہے۔ زکریاؑ اور مریمؑ کے گھر میں اولاد ہوئی اس میں ایک اسباب پرست تعجّب کرسکتا ہے پھر یہ تمثیل جس عروسِ عرب کے لئے ہے وہ بھی کسی کے لئے باعثِ تعجّب ہو۔ مگر یہ سب کچھ پیش گوئی کے ماتحت ہوا۔

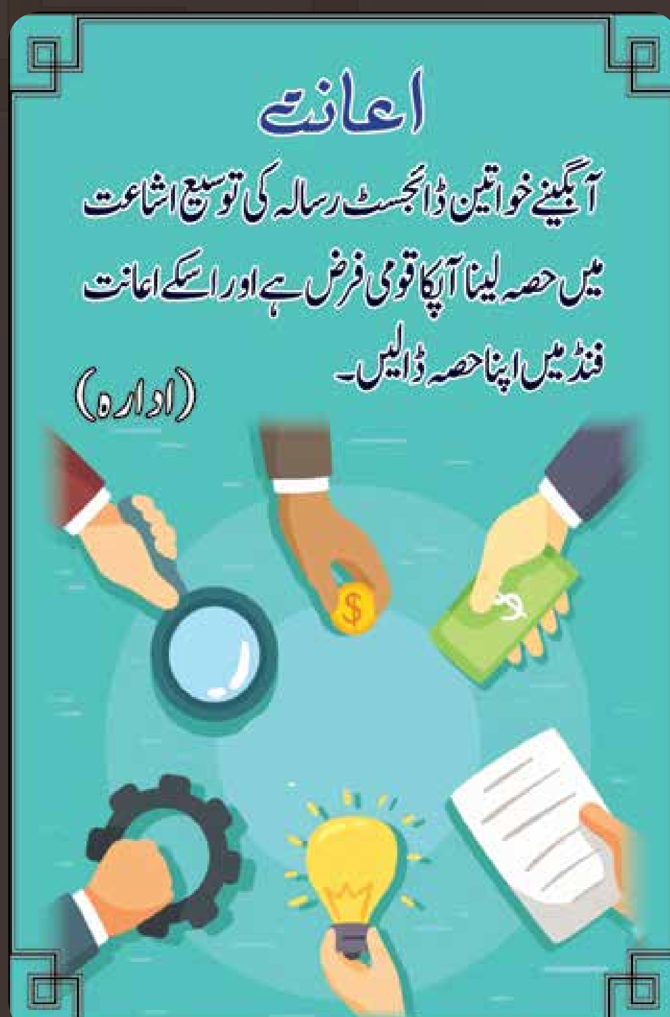

یہاں اس آیت میں جو مریمؑ کے صفات بیان کیے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ اور کوئی عورت ایسی نہیں گزری۔ مگر قرآن کریم کا قاعدہ ہے کہ جو مرض ہو اس کا علاج کرتا ہے جو مرض نہ ہو اس کا ذکر نہیں کرتا۔ احمق لوگوں نے سلیمانؑ پر کفر کا فتویٰ دیا تو خدا نے فرمایا وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ (البقرۃ:103) ایک عورت کی تہمت دی تو فرمایا اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ (النّمل:45) حضرت مریمؑ کو یہودیوں نے بُرا کہا تو فرمایا کہ ان کو خدا نے برگزیدہ کیا، پاک بنایا۔

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 469 تا471)

❁❁❁

غزل

بشریٰ سحر کولکاتا

روٹھنا تو فقط بہانہ تھا
آپ کا ظرف آزمانا تھا
غیر کو پاکے مجھ کو بھول گیا
جس سے رشتہ مرا پرانا تھا
میں اسے یاد کر رہی تھی سدا
"ورنہ اس نے تو بھول جانا تھا"
میں زمانے کے آگے آگے تھی
پیچھے پیچھے مرے زمانہ تھا
اس کا میں اعتبار کیا کرتی
وہ حقیقت نہیں فسانہ تھا
بھول بیٹھی ہوں میں ہنسی اپنی
آپ کو یوں نہ مسکرانا تھا
میں تعلق نبھاتی کیا اس سے
رشتۂ جان مگر نبھانا تھا
میں بھی اس پر یقین رکھتی تھی
خود کا کھو کر تجھی کو پانا تھا
جان دیتی نہ کیوں "سحر" اس پر
اس کا انداز دلبرانہ تھا

❁❁❁

خدا تعالیٰ کی صفت رب العالمین

سید نا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعودؓ فرماتے ہیں:

سید نا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) فرماتے ہیں:

ایک اور صفت خدا تعالیٰ کا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہونا ہے۔ اس کے روحانی اور جسمانی دو ثبوت پیش کئے گئے ہیں۔ جسمانی ثبوت تو یہ دیا کہ فرمایا۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَ رَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (البقرہ:265) یعنی زمین اور آسمان اور انسان اور اس کی طاقتیں (یعنی ترقی کی قابلیتیں جن سے وہ زمین و آسمان پر حکومت کرتا ہے اور جو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ پر جو ترقیات کا سر چشمہ ہے شاہد ہیں) اور اَغْذِیہ وغیرہ جو ان طاقتوں کو قائم رکھتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اس سال جب میں کشمیر گیا تو وہاں ایک ایم۔ اے مجھے ملنے کیلئے آئے۔ اور کہنے لگے میں خدا کو تو نہیں مانتا لیکن اگر کوئی خدا ہے تو اس نے ہمیں دنیا میں پیدا کر کے خواہ مخواہ مصیبت میں ڈال دیا۔ ہم نے کب اس سے کہا تھا کہ ہمیں پیدا کر کے دنیا میں بھیج دو؟ میں نے کہا۔ اگر دنیا کی زندگی مصیبت ہے اور آپ اس مصیبت سے نکلنا چاہتے ہیں تو یہ کونسی مشکل بات ہے۔ زہر کھالو اور مر جاؤ۔ کہنے لگے یہ بھی تو نہیں ہوسکتا مرنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں نے کہا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ آپ دنیا کی زندگی کو اچھا سمجھتے ہیں اور صرف منہ سے اس کی برائی بیان کرتے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسانوں کے لئے قرار کی جگہ بنایا ہے۔ ہندو کہتے ہیں۔ دنیا مصیبت کی جگہ ہے مگر جب بیمار ہوں تو ڈاکٹروں کو سب سے زیادہ فیس وہی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے منہ سے جتنا چاہو کہو کہ دنیا مصیبت کی جگہ ہے لیکن یہاں سے تم ہلنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ خدا نے تمہارے لئے اس زمین کو قرار گاہ قرار دیا ہے۔

پھر وَ السَّمَآءَ بِنَآءً آسمان بھی تمہاری حفاظت کا موجب ہے۔ جو چیزیں زمین کے ذریعہ پوری نہ ہوسکتی تھیں ان کو ہم تمہارے لئے آسمان سے نازل کرتے ہیں۔ کیونکہ آسمان بناء کا موجب ہے۔ وَصَوَّرَکُمْ پھر اس خدا نے تمہیں شکل دی۔ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ۔ اور بڑی اعلیٰ درجہ کی اور مکمل قابلیتوں والی شکل بنائی۔ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ اور تمہارے لئے نہایت اعلیٰ درجہ کی چیزیں پیدا کی ہیں۔ اگر چیزیں خراب ہوتیں تو تمہاری قابلیتیں بھی اعلیٰ درجہ کی نہ ہوتیں۔ مگر ان قابلیتوں کو خرابی سے بچانے کے لئے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے رزق طیب پیدا کیا فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ پس اے لوگو! یہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ اگر وہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ نہ ہوتا اور سورج کوئی اور پیدا کرتا اور زمین کوئی اور پیدا کرتا تو سورج اور زمین کا آپس میں کوئی تعلق نہ ہوتا۔ مگر اب دیکھو سورج زمین کی حفاظت کر رہا ہے اور زمین سورج کی۔ یہ سب باتیں ظاہر کر رہی ہیں کہ ایک ہی خدا ہے جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا اور وہی رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔

صَوَّرَکُمْ میں یہ بھی بتایا ہے کہ بندہ ایسا بنایا گیا ہے کہ باقی سب مخلوق پر حکومت کرتا ہے۔ یہ جسمانی ثبوت ہے خدا تعالیٰ کے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہونے کا۔

خدا تعالیٰ کے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہونے کا روحانی ثبوت

روحانی ثبوت سورۃ شعراء میں اس طرح دیا کہ بہت سے نبیوں کا ذکر کرتے ہوئے جو مختلف اقوام کی طرف آئے تھے فرمایا وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ۔ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ وَ اِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (البقرہ:277) یعنی یہ قرآن رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ خدا کی طرف سے اُتارا گیا ہے اور اس کا روحانی ثبوت یہ ہے کہ یہ کلام سب دنیا کو مخاطب کر کے نازل ہوا ہے۔ جب کہ پہلے کلام صرف مختص القوم اور مختص الزّمان تھے اور جب کہ وہ کلام صرف اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے ثبوت تھے۔ یہ کلام ربوبیتِ عالمین کا ثبوت ہے۔

غرض یہ قرآن کسی ایک قوم کی طرف نہیں آیا کیونکہ اسے خدا تعالیٰ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت کے ماتحت نازل کیا گیا ہے اور تمام دنیا اس کی مخاطب ہے۔ پھر اس کلام کو روح الامین لے کر نازل ہوا ہے۔ یعنی پہلے نبیوں کے کلام میں خرابیاں آگئی تھیں کیونکہ بندوں نے ان کی حفاظت نہ کی۔ پس خدا تعالیٰ نے اس روح کے ذریعہ سے جو امین ہے۔ محفوظ طور پر وہ پہلے کلام آپ پر نازل کئے ہیں۔ اور چونکہ کلام کے پہنچانے کے لئے اس کا سمجھنا بھی ضروری ہے تا کہ پہنچانے میں کوئی نقص نہ رہ جائے اس لئے یہ کلام تیرے دل پر نازل کیا گیا ہے۔ غرض بائیبل اور وید وغیرہ کتابیں سب خراب ہو چکی تھیں۔ مگر خدا تعالیٰ کے پاس اصلی تعلیم محفوظ تھی۔ چنانچہ اس نے روح الامین کے ذریعہ اس کلام کو تیرے دل پر نازل کیا تا کہ لوگوں کا جرات کے ساتھ مقابلہ کر سکے یہ کلام عربی زبان میں ہے جو تمام مضامین کو کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ اور اس کے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی طرف سے ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ یہ کلام پہلی کتب میں بھی موجود ہے۔ اس رنگ میں بھی کہ ان کے اصول اس میں پائے جاتے ہیں اور اس رنگ میں بھی کہ ان سب کو اکٹھا کر کے اس میں بیان کر دیا گیا ہے۔ گویا اس میں تمام غیر مسلم اقوام کی ذہنیت کا خیال رکھا گیا ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی طرف سے ہے۔ اگر یہ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی طرف سے نہ ہوتا تو یہ ساری دنیا کی فکر کیوں کرتا۔ (فضائل القرآن صفحہ 86 تا 88)

❁❁❁

حضرت صاحبزادہ عبد اللطیفؓ کی جائے شہادت اور مینار

تحریر: سید نعمت اللہ مربی سلسلہ اکرا گھانا

حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف شہید رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت کے متعلق سوشل میڈیا پر مختلف تصاویر گردش کر رہی ہیں جو الجھاؤ پیدا کر رہی ہیں حضرت صاحبزادہ صاحب رضی اللہ عنہ کو 1903ء میں کابل میں شہید کیا گیا اور ان کی جائے شہادت ایک خاص اہمیت کی حامل ہے وہاں بعد میں ایک مینار بنایا گیا۔ جو 3 تصویریں گھوم رہی ہیں ان میں سے ایک مینار آزادی یا مینار استقلال ہے۔ دوسرا مینار علم و جہل اور تیسرا مینار نجات۔ ان میں سے اصل جگہ کونسی ہے میرے نزدیک وہ مینار نجات ہے

خاکسار اپنے ان حقائق کی بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس بیان پر رکھے گا جو حضور نے جائے شہادت کے متعلق 14 جنوری 1983 کے خطبہ جمعہ میں فرمایا تھا کہ: ” حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحب کے متعلق ابھی چند سال ہوئے ایک بڑی دلچسپ روایت معلوم ہوئی۔ ہمارے صوبہ سرحد کے ایک مخلص احمدی دوست ہیں جن کے تعلقات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ چند سال پہلے افغانستان سے ایک دوست ان سے ملنے کے لئے آئے یا یہ گئے وہاں ملنے کے لئے مجھے اس وقت صحیح یاد نہیں بہر حال ان کی ملاقات ہوئی۔ یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے افغانستان کی آزادی کی روح کا symbol یعنی نشان قائم کیا ہے یہی وہ آرکیٹیکٹ (نقشہ بنانے والے) ہیں کہ جب افغان قوم نے یہ فیصلہ کیا کہ افغان آزادی کی روح کا ایک symbol یعنی یادگار قائم کی جائے تو یہ کام اسی آرکیٹیکٹ کے سپرد تھا کہ تم ڈیزائن بھی کرو یہ بھی فیصلہ کرو کہ اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں جگہ کون سی ہے۔ ہمارے احمدی دوست کہتے ہیں میں جب ان سے ملا تو میں بھی وہ مینار دیکھنے گیا تو پتہ لگا کہ وہ موزوں جگہ پر نہیں ہے۔ ایک ایسی جگہ پر ہے جو آرکیٹیکچر یعنی فن تعمیر کے نقطہ نگاہ سے موزوں نہیں تھی۔ ایسی جگہ کمانڈنگ ہونی چاہئے، اونچی ہونی چاہئے، کھلا منظر ہو تا کہ دور دور سے نظر آئے لیکن وہ مکانوں میں گھری ہوئی ایک چوک کے اندر جگہ تھی مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے اس بوڑھے سے پوچھا کہ تم تو بڑے قابل آرکیٹیکٹ ہو تم نے اس یادگار کے لئے اس جگہ کا انتخاب کیوں کر لیا۔ اس نے جواب دیا کہ اس کا انتخاب اس لئے کیا کہ مجھے کہا گیا تھا کہ افغان روح آزادی کو خراج تحسین ادا کرنا ہے یعنی یہ کہ وہ تمام دنیا کے اثرات سے آزاد ہے اور اس کو دنیا کا کوئی خوف نہیں ہے اور حق پر قائم رہنا جانتی ہے یہ تھی اس کی روح۔ اور میں جب بچہ تھا میں نے یہاں اسی چوک میں ایک ایسا واقعہ دیکھا تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لئے میرے دل پر ثبت ہو گیا۔ میں نے یہ دیکھا کہ ایک بزرگ زنجیروں میں جکڑا ہوا سنگسار کرنے کے لئے لے جایا جا رہا تھا۔ ہم بھی بچوں میں شامل ہو کر اسکا نظارہ دیکھنے کے لئے گئے۔ میں نے اس کے چہرے پر ایسی عظمت دیکھی، ایسی آزادی دیکھی، ایسی بے خوفی دیکھی اور ایسا اطمینان تھا اور اس کے چہرے پر طمانیت کی ایسی مسکراہٹ تھی کہ وہ میرے ذہن سے کبھی نہیں اترتی۔ پس جب مجھے میری قوم نے کہا کہ افغان روح آزادی کو خراج تحسین ادا کرنا ہے اور اس کے لئے مینار قائم کرنا ہے تو میں نے سوچا کہ اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں جہاں میں نے اس آزادی کی روح کو دیکھا تھا“۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع 14 جنوری 1983 بحوالہ خطبات طاہر جلد 2 صفحہ 29)۔

پہلے خاکسار اس تصویر کے متعلق قارئین کو بتانا چاہتا ہے جو کہ غلط طور پر سوشل میڈیا پر گردش کر رہی ھے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں شہید مرحوم کو شہید کیا گیا تھا اور یہ مینار آزادی یا استقلال ہے۔ یہ بالکل غلط ہے اس مینار کو مینار علم و جہل کہتے ہیں اس کے لئے گوگل میں مینار علم و جہل لکھیں وہاں آپ کو یہ تصویر ملی گی جو کہ ایک پتھریلی چٹان پر ہے کابل دھمز نگ ایریا میں کابل کے چڑیا گھر کے کونے پر واقع ھے۔ یہ مینار 1926 عیسوی میں امیر امان اللہ خان نے آزادی کے شہداء کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے بنایا۔ اس لئے اس کے متعلق اتنا ھی کافی ھے۔ یہ شہید مرحوم کی شہادت کی جگہ نہیں ہے اور وھاں سے کافی دور ھے۔ اب خاکسار آپ کی خدمت میں مینار استقلال یا آزادی کے متعلق بتانا چاہتا ہے جو کہ سفید مینار ھے آپ اس کی تصویر نیچے دیکھ سکتے ہیں یہ مینار ایک روایت کے مطابق 1920 عیسوی سال میں امیر امان اللہ خان کے وقت میں بنایا گیا آزادی کے حصول کے مناسبت سے افغانی معماروں کے ذریعے بنایا گیا۔ (آبدات تاریخی دورہ اسلامی کابل از عبد الوحید خلیلی 1398ھ بمطابق 2020 ص 122) لیکن غلام محمد غبار اور علی احمد کہزاد اور بعض اور افغانی مورخین اس مینار کو نادر شاہ کے وقت بننے کی بات کرتے ہیں اور ثبوت کے طور پر طاق ظفر پغمان جو کہ صوبہ کابل کا ایک ضلع ھے کو بطور آزادی کی علامت یا نماد کے طور پر پیش کرتے ہیں وھاں بھی ایک مینار ھے اور ان کی بات درست بھی ھے۔ مینار استقلال کابل شہر کے شاھی محل جسے ارگ کہتے ہیں (یعنی پریزڈنٹ پیلس) اور پل محمود خان کے درمیان واقع ھے جو کہ کابل بالا حصار کے شمال میں واقع ہیں اور دور ہے۔ خاکسار کی تحقیق کے مطابق اور امان افغان مجلہ کے مطابق استقلال کی جشن شروع سے ھی پغمان میں واقع طاق ظفر شاھی محل میں منعقد ھوتا رھا ھے۔ اس کے علاوہ روزنامہ انیس، ابلاغ، حقیقت جو اس دور کے اخبارات اور رسائل ھیں اللہ کے فضل سے ان کے سکین خاکسار کو ملے جن سے واضح ثابت ھوتا ھے کہ کابل شہر میں جو مینار استقلال ھے وہ امان اللہ خان کے دور میں بنا ھی نہیں۔ یہ جو تصویر ھے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے بیان کردہ نشانات سے بالکل میچ نہیں کرتا۔ ایوب آروین رائٹر ہیں اپنے 20 اگست 2013 BBC تحقیقی

کالم میں لکھتے ہیں کہ جشن آزادی ضلع پغمان میں منعقد ھوتی تھی لیکن نادر شاہ نے امان اللہ خان کے نام کو مٹانے کے لئے کابل سلطنتی قصر کے قریب اس مینار کو بنایا۔ اپنے نام کو استقلال سے جوڑنے کے لئے۔ عبد الواسع ھیلہ من رائٹر ہیں اپنے مضمون 17 اگست 2016 بشر دوستان افغانستان آسٹریلیا کا سائٹ ھے (aapa.org.au) اس میں وھی اوپر والا مضمون ھی بیان کرتا ہے کہ جشن آزادی صوبہ کابل کے پغمان طاق ظفر میں منایا جاتا تھا نا کہ کابل شہر میں جو اب منایا جاتا ھے۔ نبی مصداق تاریخ کے استاد ہیں اپنے مضمون 12 اکتوبر 2016 کو enikassradio.com کے ایک انٹرویو میں یہی مضمون بتایا ھے جو اوپر بیان ھوا ھے۔ اب خاکسار مینار استقلال کی پرانی تصویر آپ کی خدمت میں پیش کر کے پھر کچھ حقائق بیان کرے گا جو کہ احباب کو سمجھنے میں آسانی ھو گی کہ حضرت صاحبزادہ صاحب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جگہ کہاں ہے اور پھر آخری تصویر اور جگہ کے متعلق بتائے گا۔

اب عرض یہ ھے کہ حضور رحمہ اللہ نے جو فرمایا ھے کہ وہ ایک چوک میں تھا گھروں کے درمیان یہ تصویر واضح بتارھی ھے کہ نا تو یہ کسی چوک میں ھے اور نا ھی وھاں گھر ہیں اور خاکسار نے خود بھی ان سب جگھوں کو دیکھا ھے یہ مینار پرزڈنٹ پیلس کے پاس ھے اگر یہ وھی مینار ھوتا تو پہلی نشانی وہ بتاتے کے پیلس کے پاس ھے جو سب سے بڑی نشانی ہے لیکن یہ وہ مینار اور جگہ نہیں ہے۔ اب خاکسار اصل مینار جو کہ مینار نجات کے نام سے مشہور رہے جو کہ حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف شہید رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جگہ ھے کے متعلق لکھنا چاہے گا اور ثابت کرنے کی کوشش کرے گا کہ یہی وہ جگہ ھے اور حقائق بیان کرے گا جس سے یہ بات واضح ثابت ھوتی ھے کہ یہ مطلوبہ مینار ھے تصویر نیچے ملاحظہ فرمائیں۔

یہ پہلی شکل ہے مینار نجات کی یہ تصویر اسماعیل یون صاحب کی کتاب جو مینار نجات کے نام سے ھے لی گئی ھے۔

اب اس مینار کی تاریخ اور تعمیر کے متعلق مختصر آپ کی خدمت میں کچھ بتانا چاہوں گا کہ یہ مینار نادر شاہ کے وقت 1929 میں حبیب اللہ کلکانی جو بچہ سقاو کے نام سے مشہور رہے کی حکومت کو گرانے اور اس کے چنگل سے آزاد کرانے کی یاد میں پشتون یا افغان قوم کے درخواست پر بنایا گیا کہ افغان قوم کسی کی غلام نہیں ہو سکتی محترم یون صاحب جو اس کتاب کا لکھنے والا ھے لکھتے ہیں کہ کابل کے لوگوں نے بالا حصار کے کونے لاھوری دروازے اور شاہ شہید علاقے کے درمیان چار راہی یا چوک کو پسند کیا اور اس دن سے 1979 تک نجات کا ملی یا نیشنل دن کے طور پر منایا جاتا تھا 1979 میں یہ مینار گرا دیا گیا پشتون دشمن عناصر کے ذریعے۔ (نیمہ پیڑی یون / نجات (مینار نجات دوبارہ بنانے کی کہانی). یعنی پچاس سالہ یون صفحہ 257 / 2019)۔

روحی افغان انٹرنیٹ سائٹ اپنے ایک مضمون میں لکھتا ھے کہ یہ مینار نادر شاہ کے وقت بنا اور افتتاح 1930 میں ہوا اور 1979 میں کمیونسٹ رجیم نے توڑا۔ (Rohi.AF 15-10-2016)۔

ویکیپیڈیا کے مطابق 1930 میں یہ مینار نادر شاہ کے ٹائم بنایا گیا بالا حصار دروازہ لاھوری اور شاہ شہید کے درمیان اور پچھلی حکومتوں نے گرایا۔ (ps.m.wikipedia.org). مینار نجات دوبارہ 2016 اسی جگہ تعمیر ھوا جو پہلے تھا۔ اب خاکسار نئی اور پرانی تصویر اس کتاب کے کور فوٹو اور پھر وہ تصویر جو ھمارے ایک احمدی بھائی نے لی ھے پیش کر کے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی بیان فرمودہ باتوں کی روشنی میں اس پر تبصرہ کرے گا اور ثابت کرے گا ان شاء اللہ کہ یہ وھی مینار ھے۔ (1) پہلی بات جو خاکسار بتانا چاہتا ہے کہ جس آرکیٹیکٹ نے یہ بنایا اس کا کہنا ہے کہ میں بچہ تھا یہ 1903 کی بات ھے جب اس نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو سنگسار ھوتے دیکھا حبیب اللہ خان کا دور 1901 سے 1919 تک ھے اس وقت ھے جو کہ وہ بچہ جوان ھو گا پھر امان اللہ خان 1919 سے 1929 تک تب یہ آرکیٹیکٹ اس عمر کو پہنچ گیا کہ اس کو یہ مقام اور تجربہ حاصل ہوا اور یہ خاکسار ثابت کر چکا ہے اوپر کہ کابل میں مینار استقلال امان اللہ خان کے دور میں بنا ھی نہیں تھا تو ثابت ھوا کہ یہی مینار نجات ھے جو اس آرکیٹیکٹ نے بنایا اور نادر شاہ کے دور میں بنایا۔ (2) وہ مینار ایک چوک میں تھا اور گھروں کے درمیان تو یہی ایک مینار ھے جو یہ خصوصیت رکھتا ھے باقی دو مینار نہیں۔ (3) خاکسار کے بزرگ جن میں الحمد للہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے اور صاحبزادہ صاحب رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے حضرت مولوی سید غلام محمد صاحب رضی اللہ عنہ جو کہ قادیان کہ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں انہوں نے خود بارھا بتایا اور اپنے بچوں کو اور نہوں نے ھم کو کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں صاحبزادہ صاحب کو شہید کیا گیا اور بالا حصار سے اوپر پہاڑی پر ہمارے گھر تھے وھاں سے یہ جگہ خوب نظر آتی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے یہ بھی ھمیں دکھا کر بتایا کہ جہاں مینار بنا ھے یہ تو چوک ھے اس سے 50 میٹر کے فاصلے پر میدان میں صاحبزادہ صاحب کو شہید کیا گیا جو اب بالا حصار کے احاطے میں ھے۔ اس وقت یہ ایک ھی جگہ تھی۔ (4) حفیظ اللہ شاھین رائٹر ھے قدیم کابل کے متعلق لکھتے ہیں کابل اور کابلستان گروپ میں اپنے 16 جولائی 2020 کے مضمون میں لکھتے ہیں کہ بالا حصار کا ایک دروازہ جو کہ عموما موت کی سزا وھاں دی جاتی تھی دروازہ خونی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ لاھوری دروازے کی طرف گیٹ ھے جو بالکل یہی جگہ ھے۔ پس مینار نجات ھی وھی جگہ ھے جو افغان روح کی آزادی کی یادگار کے طور پر بنایا گیا اور واقعتاً صاحبزادہ صاحب کی جائے شہادت ھے۔

آخر پر یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ حالات ٹھیک ہوئے تو شاید ہمارے ہاتھ ایسے شواہد لگ جائیں کہ اس سے حضرت صاحبزادہ صاحب رضی اللہ عنہ کی تصویر شہادت کی جگہ اور شہادت کی وقت کی تصاویر وغیرہ اس وقت ساری باتیں کھل کر سامنے آئیں گی اور ابہامات دور ہوں گی انشاء اللہ خاکسار اپنی تحقیق کو حرف آخر نہیں سمجھتا تحقیق کے دروازے ہمیشہ کھلے ہوتے ہیں۔ مضمون کی طوالت کے ڈر سے خاکسار اسی پر اکتفا کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو وقت آنے پر بہت سی باتیں احباب کے سامنے آتی رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ❁❁❁

قوم تُبع

تفسیرابنِ کثیر: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَیَقُوۡلُوۡنَ شہنشاہ تُبَّع کی کہانی

یہاں مشرکین کا انکار قیامت اور اس کی دلیل بیان فرما کر اللہ تعالیٰ اس کی تردید کرتا ہے ان کا خیال تھا کہ قیامت آنی نہیں مرنے کے بعد جینا نہیں۔حشر اور نشر سب غلط ہے دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا مرگئے وہ کیوں دوبارہ جی کر نہیں آئے؟ایسے کچھ واقعات سورہ سبا میں بیان ہوئے ہیں۔وہ لوگ بھی قحطان کے عرب تھے جیسے یہ عدنان کے عرب ہیں حمیر جو سبا کے تھے وہ اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے جیسے فارس کے بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے ہر بادشاہ کو قیصر اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا ہے۔ان میں سے ایک تبع یمن سے نکلا اور سمرقند پہنچ گیا اور ہر جگہ بادشاہوں کو شکست دیتا رہا اور پھر اپنا بڑا ملک کرلیا بے شمار لشکر اور رعایا اس کے ماتحت تھی اپنے زمانہ میں مدینہ بھی آیا اور لوگوں سے لڑا لیکن اس کو ایسا کرنے سے روک دیا پھر جب یہ مکہ پہنچا تو اس نے بیت اللہ کو گرانا چاہا لیکن ان کے دو عالموں نے ایسے ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا کہ اس کی عظمت وحرمت اور اس کے بانی حضرت ابراہیمؑ ہیں اس طرح یہ اپنے ارادہ سے باز آیا بلکہ بیت اللہ کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور طواف کا غلاف چڑھایا پھر یہاں سے واپس یمن چلا گیا پھر یہ حضرت موسیٰؑ کے دین میں شامل ہوگیا یمن میں یہی دین پھیلایا۔تفصیلی واقعات سیرۃ ابن اسحاق میں موجود ہیں اور حافظ ابن عساکر کتاب میں درج ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی مذمت کی ہے اس کی نہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ 'تُبَّع' کو بُرا نہ کہو وہ صالح شخص تھا۔ابن ابی حاتم میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! '' تُبَّع '' کو گالی نہ دو وہ مسلمان ہو چکا تھا طبرانی اور مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے عبدالرزاق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مجھے معلوم نہیں ''تُبَّع'' نبی تھا یا نہیں؟ فاللہ اعلم حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور حضرت عطاء بن ابو رباح فرماتے ہیں'' تُبَّع'' کو گالی نہ دو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بُرا کہنا منع فرمایا ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

قوم تُبّع کا ذکر قرآن مجید میں دو دفعہ آیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:اَهُمۡ خَیۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ ۫ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ (سورۃ الدخان آیت نمبر 38)

ترجمہ: '' کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تُبّع کی قوم اور وہ لوگ جو اُن سے پہلے تھے؟ہم نے ان کو ہلاک کردیا۔یقیناً وہ (سب) مجرم تھے۔''

وَّ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡكَةِ وَ قَوۡمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیۡدِ (سورۃ ق:15)

ترجمہ: '' اور گھنے درختوں میں بسنے والوں نے اور تُبّع کی قوم نے۔سب نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔پس میرا انذار سچا ثابت ہوگیا۔''

'' تُبَّع '' یمن کی حمیری حکومت کے بادشاہوں میں سے ہر بادشاہ کو (تُبّع) کہا جاتا تھا۔اسی وجہ سے ان کو مجموعی طور پر '' تُبّابِعہ '' کہا جاتا ہے۔'' تُبَّع اکبر '' جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے' اس سے مراد حسان بن اسعد بن ابی کرب ہے۔اس بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ دسویں صدی قبل مسیح میں حکمران رہا ہے۔اس کی فتوحات کا دائرہ شمال میں شام اور مشرق میں ترکستان تک پھیلا ہوا تھا حتیٰ کہ وہ سمرقند میں بھی داخل ہوا۔ تُبّع نے دارالحکومت کے طور پر دو شہر مآرب اور ظفار آباد کیے۔یاد رہے کہ یہی وہی مآرب ہے جس میں سبا کا مشہور ڈیم (سَد) قائم تھا۔یہ بات مشہور ہے کہ اس نے سب سے پہلے کعبے کو غلاف پہنایا تھا۔

اضافی توضیحات وتشریحات

عرب مؤرخین ''سبا'' اور ''حمیر'' میں کوئی فرق نہیں کرتے' اس لئے سلسلہ حمیری سے الگ انہوں نے کسی بادشاہ کا ذکر نہیں کیا' البتہ ''حمیر'' کے انہوں نے دو ٹکڑے کیے ہیں: ملوک حمیر اور تبابعہ۔حمیری ملوک وہ ہیں جو صرف یمن میں حکمران تھے۔ تبابعہ وہ ہیں جن کے ماتحت یمن اور حضرموت دونوں تھے۔ان کی تحقیق کے مطابق سب سے پہلے '' تُبّع '' حارث الرائش تھے۔۔۔۔۔حمیر بن سبا اور حارث الرائش کے درمیان کم از کم ایک ہزار برس کا فاصلہ تھا۔

حمیر بن سبا انتہائے عمر کو پہنچ کر مر گیا' تو اس کی نسل اس کے بعد وراثتاً حکومت کرتی رہی یہاں تک کہ صدیاں گزر گئیں اور حکومت حارث الرائش کے ہاتھ میں آئی۔حارث سے پہلے حکومت یمن سبا اور حضرموت دو ٹکڑوں میں منقسم تھی' تمام اہل یمن ایک بادشاہ پر متفق نہ تھے' لیکن حارث الرائش جب بادشاہ ہوا تو سب اس پر متفق ہوگئے اور اس کے تابع بنے' اس لئے اس کا نام ''تُبّع'' پڑا (اور یہی سب سے پہلا '' تُبّع '' ہے۔) ممکن ہے تبع عربی میں متبوع کے معنی میں ہو' یعنی جس کی لوگ پیروی اور اطاعت کریں۔حبشی زبان میں تبع کے معنی قادر' جبار اور صاحب قوت کے ہیں۔یہ حمیر جو سبا کی اولاد در اولاد میں تھا' جو تقریباً 115 ق م میں دولت حمیر یہ کا بانی ہوا۔قرآن مجید نے قوم تبع کا دو بار ذکر کیا ہے۔پہلی آیت میں جبار قوموں میں اس کا نام بھی ہے۔دوسری آیت میں قریش مکہ کی طرف روئے خطاب ہے کہ ان کو اپنی قوت پر ناز ہے' تبع اور ان سے پہلے کی قومیں کیا ان سے زیادہ توانا اور زور آور نہ تھیں' ان کا انجام کیا ہوا؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ اَصۡحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوۡدُ ۙ وَ عَادٌ وَّ فِرۡعَوۡنُ وَ اِخۡوَانُ لُوۡطٍ ۙ..وَّ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡكَةِ وَ قَوۡمُ تُبَّعٍ (سورۃ ق آیت 13،14)

ترجمہ: ''اُن سے پہلے نوح کی قوم نے بھی جھٹلایا تھا اور معدنیات والوں نے اور ثمود نے بھی اور عاد اور فرعون نے اور لوط کے بھائیوں نے''

دوسرے مقام پر فرمایا: اَهُمۡ خَیۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ ۫ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ (سورۃ الدخان آیت 38)

ترجمہ: '' کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تُبّع کی قوم اور وہ لوگ جو اُن سے پہلے تھے؟ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔یقیناً وہ (سب) مجرم تھے۔'' (تاریخ ارض القرآن)

(اَطلس القرآن تالیف ڈاکٹر شوقی ابو خلیل دارالسلام صفحہ 223 تا 225)

❁❁❁

بدل جاتی ہے قسمت دعا سے

تحریر: لبنیٰ مقبول

اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے

(سورۃ النساء)

ہماری زندگی میں دعاؤں کی اہمیت سے کون واقف نہیں۔ ہم اپنے لیے دعائیں کرتے بھی ہیں اور دوسروں سے کرواتے بھی ہیں اس یقین کے ساتھ کہ ہماری دعا گر فوری قبول نہ بھی ہو تو شاید کسی اور کی خلوصِ دل سے ہمارے حق میں کی گئی دعا قبول ہو جائے۔ دعا لینا اور دعا دینا ایک مومن کا دوسرے مومن پر حق ہے مگر جس طرح دعا کرنے کے آداب ہیں اسی طرح دعاؤں کو سمیٹنے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔

ہم میں سے اکثر لوگ دعاؤں کو سمیٹنے کے آداب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ دعا دینے والے کا اپنا ظرف ہوتا ہے مگر دعا لینے والے کو بھی اپنا دامن وسیع رکھنا چاہیے اور دعاؤں کو خُوب صورتی سے اپنے دامن میں سمیٹنے کا ہنر آنا چاہیے۔

ہماری زندگی میں دعاؤں کی اہمیت سے کون واقف نہیں۔ ہم اپنے لیے دعائیں کرتے بھی ہیں اور دوسروں سے کرواتے بھی ہیں اس یقین کے ساتھ کہ ہماری دعا گر فوری قبول نہ بھی ہو تو شاید کسی اور کی خلوصِ دل سے ہمارے حق میں کی گئی دعا قبول ہو جائے۔ دعا لینا اور دعا دینا ایک مومن کا دوسرے مومن پر حق ہے مگر جس طرح دعا کرنے کے آداب ہیں اسی طرح دعاؤں کو سمیٹنے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔

ہم میں سے اکثر لوگ دعاؤں کو سمیٹنے کے آداب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ دعا دینے والے کا اپنا ظرف ہوتا ہے مگر دعا لینے والے کو بھی اپنا دامن وسیع رکھنا چاہیے اور دعاؤں کو خُوب صورتی سے اپنے دامن میں سمیٹنے کا ہنر آنا چاہیے۔

آج کے اس نفسا نفسی کے دور میں جہاں ہر دوسرا شخص حسد اور جلن جیسی بیماری میں مبتلا ہے وہیں دوسروں کی ہمارے حق میں کی گئی پُرخلوص دعائیں نایاب ہوتی جارہی ہیں۔ معاملاتِ زندگی میں برکت کے اٹھ جانے کی بہت سی وجوہات میں سے ایک وجہ شاید یہ بھی ہے۔ نفسا نفسی کے اس دور میں جو دعائیں ہمیں بے ساختہ دی جارہی ہیں انہیں اتنی ہی عاجزی و انکساری کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔ دعا تو دعا ہوتی ہے۔ دعاؤں کی برکت سے ہی بگڑے کام بن جاتے ہیں اور ناممکن کام ممکن ہو جاتا ہے۔

مفہوم: ”جو بلا اتر چکی اور جو نہیں اتری، دعا ان سے نفع دیتی ہے۔“ (ترمذی)

جب دعائیں ملتی ہیں تو دعاؤں کو سمیٹنا سیکھیں۔ کچھ معلوم نہیں ہوتا کون سی جگہ اور کون سی گھڑی قبولیت کی ہے۔ آپ کو دی گئی دعا کے ردعمل میں آپ کے منہ سے نکلے ہوئے بے ساختہ منفی الفاظ ناشکری کے زمرے میں آتے ہیں۔ قدرت یقیناً آپ کے لیے بہترین سوچتی ہے مگر جب یہی منفی الفاظ گرفت میں آجاتے ہیں تو دعا پلٹ جاتی ہے۔ بس پھر وقت گزرنے کے بعد شرمندگی اور ندامت ہی حصے میں آتے ہیں اور فقط پچھتاوا باقی رہ جاتا ہے۔ لوگ جانے انجانے میں محض لمحاتی زبانی لغزش کے نتیجے میں برسوں اس کی گرفت میں رہتے ہیں۔ بے شک دلوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے مگر زبان گرفت میں لے آتی ہے اور میرے رب کی پکڑ بہت شدید ہے۔ افسوس! اکثر توبہ کرنے کی سمجھ اور عقل بھی اس وقت آتی ہے جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوتا ہے۔

دراصل اس تحریر کا محرک ایک آنکھوں دیکھا واقعہ ہے جب ایک جاننے والے گھرانے کے چار بچوں میں سے تین بچوں کی شادیاں آگے پیچھے ہوئیں۔ بس ایک بیٹی باقی رہ گئی تھی جو اس وقت ایک جامعہ میں زیرِ تعلیم تھی۔ بچوں کے نکاح کے فوری بعد اسٹیج پر بچوں کی والدہ کو مبارک باد دیتے ہوئے کسی عزیزہ نے کہا کہ اللہ آپ کو جلد ہی اس بچی کے فرض سے بھی سبک دوش کرادے تو ماں نے (جو خوشی خوشی مہمانوں سے اپنے بچوں کے نکاح کی مبارک باد وصول کر رہی تھیں) اٹھلاتے ہوئے کہا: ارے نہیں بھئی! ابھی اتنا جلدی تو نہیں، اب تو میں اپنی بیٹی کی شادی آرام سے ہی کروں گی۔ ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔

وہ عزیزہ اپنی پُرخلوص دعا کا یہ ردعمل دیکھ کر اپنا سامنہ لے کر رہ گئیں اور ان کے اطراف میں موجود دیگر خواتین نے بھی اپنی دعائیں روک کر محض مبارک باد دینے پر ہی اکتفا کیا۔

کچھ لوگوں کے نزدیک بہ ظاہر یہ معمولی سی بات ہو گی مگر ایسا نہیں ہے۔ ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ بیٹی کے اچھے مستقبل کے لیے دی جانے والی وہ خُوب صورت دعا سمیٹ لی جاتی، سنبھال لی جاتی اور خُوش ہو کر دل سے آمین کہا جاتا، مگر اس کے برعکس اس قبولیت کی گھڑی کو گنوا دیا گیا۔ آج اتنے برس ہو گئے وہ بچی تعلیم مکمل ہونے کے باوجود بھی آج تک اپنے ماں باپ کے گھر بن بیاہی بیٹھی ہے۔ رشتے آتے رہے مگر ماں کی اس سلسلے میں سکون و اطمینان والی بات پوری ہو گئی۔ وقت نکل گیا، آج بھی اس لمحے کی خلش ماں کو شدت سے محسوس ہوتی ہے اور وہ ہر ایک سے دعا کرواتی ہیں اس امید کے ساتھ کہ نا جانے کس کی دعا ان کی بچی کے حق میں قبول ہو جائے۔

غور کیجیے! ہمیں نہیں معلوم کب کس وقت کون سی بات کو سند قبولیت مل جائے لہٰذا ایسے موقع پر زبان کو قابو رکھنا اور دعاؤں کو اپنے دامن میں سمیٹنا سیکھیں تاکہ وہ آپ کے حق میں محفوظ ہو جائیں۔

بعض اوقات ہمیں دعاؤں کی سمجھ نہیں آتی۔ ہم انہیں اپنے انداز سے اور اپنے فائدے کے ترازو میں رکھ کر تول رہے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ہمارا ذہن انہیں اسی طرح من و عن تسلیم نہیں کر پاتا۔ لوگ اک عمر گزار لیتے ہیں، تجربہ کار ہو جاتے ہیں مگر کچھ بنیادی باتوں کو سیکھنے سے محروم رہتے ہیں۔ ہمارے اطراف ایسے ہی نا جانے کتنے لوگ

روز مرہ کے مشاہدے میں نظر آتے ہیں جو اپنی زبان کے باعث نا صرف خود خسارے میں ہوتے ہیں بلکہ اپنے سے وابستہ لوگوں کو بھی پریشانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

رب کریم کے جلال کو نہ للکاریں اور منکسر المزاج رہیں۔ بحث مباحثوں اور خاندانی جھگڑوں میں لوگ عموماً تمام حدود پار کر جاتے ہیں۔ خاندانی معاملات میں خود کو حاوی رکھنے کے چکر میں شر انگیز باتیں کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ انسان کی جھوٹی اکڑ اور شان اس کو کہیں کا نہیں چھوڑتی، رسوا کر دیتی ہے۔

راقم الحروف کے مشاہدے میں ایک واقعہ ایسا بھی آیا جب دو بھائیوں کے مابین خاندانی جھگڑے میں ایک ہمدرد رشتے دار نے صلح صفائی کرانے کی نیّت سے، جمعے کی نماز کے بعد مسجد سے باہر نکلتے چھوٹے بھائی کو روکا اور حال احوال دریافت کرتے ہوئے دعا دی کہ اللہ آپ بھائیوں کو ہمیشہ ملا کر رکھے، آپ لوگوں کا باہمی اتفاق قائم رہے اور ساتھ ہی سمجھایا کہ آپ چھوٹے ہیں، آپ اپنا دل بڑا کر لیجیے، بڑا بھائی نہیں مل رہا اور نہیں جھک رہا تو آپ اپنے بڑے بھائی سے جھک کر مل لیں۔ زندگی کا کیا بھروسا آج ہے کل نہیں آپس میں کم از کم دل تو صاف کر لیں۔

خونی رشتے ہیں ان رشتوں کا احترام رکھیں۔ مگر چھوٹے بھائی کا تکبّر دیکھنے لائق تھا۔ بڑے تکبّر سے جواب آیا کہ آپ یہ دعا ہمارے بڑے بھائی کو دیجیے اور ان کو ہی سمجھائیے۔ میں مرتا مر جاؤں گا مگر کم از کم اپنے بڑے بھائی کے آگے نہیں جھکوں گا۔ میں کیوں معافی مانگوں وہ خود آئیں اور مجھ سے معافی مانگیں، اگر واقعی بڑے ہیں تو۔ یہ سب سن کر وہ صاحب مزید کیا کہتے چھوٹے بھائی کو ہدایت کی دعا دے کر اپنی راہ ہو لیے۔ دیکھیں لفظوں کے غیر محتاط استعمال سے کس طرح مظلوم بھی اکثر ظالم بن جاتے ہیں۔ بازی پلٹ جاتی ہے کیوں کہ اللہ کو تکبّر قطعی پسند نہیں۔ جمعہ کا دن، دعاؤں کی قبولیت کا وقت اور جب مسجد کے باہر کھڑے ہو کر بھی انسان فرعون بننے کی کوشش کرے تو بس اللہ کے قہر کو ہی للکارتا ہے۔ زبان کی پکڑ کتنی شدید ہوتی ہے یہ سب صرف سمجھنے والوں کے لیے ہے ورنہ کچھ نہیں۔

ایک مہینے سے بھی کم وقت کے اندر چھوٹے بھائی کے منہ کے اندر ایک چھوٹا سا دانہ نکلا، جسے کچھ دن انہوں نے نظر انداز کیا اور حکیمی علاج کی طرف متوجہ رہے۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے وہ دانہ ناسور کی شکل اختیار کر گیا۔ تکلیف جب حد سے سوا ہوئی تو ڈاکٹر سے رجوع کیا اور ٹیسٹ کرانے پر منہ کے کینسر میں مبتلا ہونے کا لرزہ خیز انکشاف ہوا۔ کچھ ہی ہفتوں میں وہ منہ کے کینسر کے تیسرے اسٹیج پر جا پہنچے تھے۔ اس اسٹیج پر مرض کی اس نوعیت کے ساتھ طبیب بالکل بھی پُر امید نہیں تھے۔ اب حال یہ تھا کہ چھوٹے بھائی کو اپنی اس زبانی لغزش پر اللہ کی گرفت سمجھ آ رہی تھی۔

اپنے کہے گئے جملے یاد آ رہے تھے۔ بیماری نے ساری جھوٹی اکڑ اور مزاج کی فرعونیت نکال دی تھی۔ منہ اتنا سُوج چکا تھا کہ چہرہ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ منہ سے ایک لفظ ادا کرنے سے بھی قاصر تھے۔ ضمیر ملامت کرنا شروع ہوا ہاتھ جوڑ کر اشاروں سے بڑے بھائی سے رو رو کر معافی مانگی۔ اب وہی بڑے بھائی جو معمولی اختلاف پر ان کو اپنے جانی دشمن لگ رہے تھے ان کے بہترین علاج معالجے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ آئی سی یو کے باہر چھوٹے بھائی کی زندگی کے لیے رب کے حضور گڑگڑا رہے تھے۔ اور چھوٹے بھائی شرمندگی سے بڑے بھائی سے نظریں نہیں ملا پا رہے تھے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا اور بہت جلد کروٹ لے لیتا ہے۔ اگلے لمحے کا نہیں معلوم۔ زبان کو قابو رکھنا سیکھیں اور تکبّر اور بد کلامی سے ہمیشہ بچیں۔ اکڑ کس لیے؟ لہجے کی رعونت کس لیے؟

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کا خمیر خاک ہے اور ایک دن ہم سب کو خاک ہو جانا ہے۔ تو اس فنا ہو جانے والے وجود کے ساتھ تکبر کیسا۔۔۔؟

زبان قابو میں رہے تو زندگی آسان ہو جاتی ہے بے قابو ہو جائے تو اس کی پکڑ شدید ہے۔ ہمیں کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کون سی گھڑی قبولیت کی ہے۔ اور ہمارا کون سا عمل اور گھمنڈ رب کی پکڑ میں آ جائے۔ لہٰذا اپنے لیے بھی اچھا سوچیں اور اپنے مومن بھائی کے لیے بھی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔ دعا کی نعمت سے نوازے، ہمیں دعا کرنے کی اور دعا سمیٹنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہماری دعاؤں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین

❁❁❁

آخری شب ہے یہ دسمبر کی

منصورہ من انڈیا

آخری شب میں پھر دسمبر کی
خود سے بیٹھی جو گفتگو کرنے
پہلے سوچا کہ اب ہے یوں کرنا
یاد ماضی کے سارے دروازے
بند کرنے ہیں سال نو کے لیے
تے یہ کرنا ہے کیسے رہنا ہے
درد کو خیر آباد کہنا ہے؟
یا ستم بے رخی کا سہنا ہے ؟
نیو خوشیوں کی اب کے رکھنی ہے
یا ڈلی غم کی کوئی چکھنی ہے؟
اتنی سوچوں کے بعد آخر میں
دل نے ہلکی سی ایک خواہش کی
یہ حساب و کتاب جانے دو
آج تھوڑا اداس رہنے دو
آخری شب ہے یہ دسمبر کی

❁❁❁

اصلاح معاشرہ میں خواتین کا کردار

تحریر: پروفیسر فائزہ احسان صدیقی

معاشرہ افراد سے بنتا ہے اور فرد ہمیشہ اصلاح طلب رہتا ہے۔ افراد کا تشکیل پذیر معاشرہ بھی بالکل افراد ہی کی طرح ہمیشہ اصلاح چاہتا ہے اور خصوصاً ہمارا موجودہ معاشرہ۔ آج کے معاشرے میں اعلیٰ اقدار زوال پذیر ہیں۔

اچھائیوں کا تناسب روز بہ روز کم ہوتا جارہا ہے اور برائیوں کا تناسب بڑھ رہا ہے۔ لہٰذا اصلاح معاشرہ کی ضرورت آج کچھ زیادہ ہی پائی جاتی ہے۔ معاشرے کی بنیادی اکائی گھر اور خاندان ہے۔ گھروں کا ماحول پاکیزہ اور اعلیٰ اقدار کا حامل ہو تو گویا معاشرے کی ہر اکائی بہ ذات خود بہتر، ستھری اور پاکیزہ ہوگی اور اس طرح ایک مثالی معاشرہ وجود میں آئے گا۔

اصلاح معاشرہ میں خواتین کے کردار پر غور کرتے ہوئے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ خواتین، مجموعی معاشرے میں تعداد کے لحاظ سے مردوں کے تقریباً مساوی ہوتی ہیں۔ لہٰذا اوّل تو اگر ہر خاتون اپنی ذات کی اصلاح پر توّجہ دے تو پھر اس طرح عورتیں معاشرے کی اصلاح پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ معاشرے کی بنیادی اکائی گھر، چونکہ خواتین کے دائرے کار کا محور و مرکز ہُوا کرتا ہے اس لیے معاشرے کے بگاڑ کی اصلاح کے لیے گھر یعنی معاشرے کی بنیادی اکائی کو مستحکم کرنا نہایت بنیادی بات ہے اور خانگی زندگی کا دار و مدار صنفِ نازک پر ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو خانگی اور معاشرتی ہر سطح پر ان کا صحیح مقام و درجہ عطا فرمایا۔ خانگی اور معاشرتی ہر دو سطح پر عورت کو انسانی عظمت و احترام سے سرفراز کیا۔ دراصل کسی معاشرے میں عورت کو جو مقام عطا کیا جائے وہ اس لیے بہت بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ ایک تو اس مقام کی بہ دولت خود عورت کی ذات، شخصیت اور معاشرے میں اس کے کردار کا تعین ہوتا ہے، دوسرے لازمی طور پر خود پورا معاشرہ بھی متاثر ہوتا ہے۔

اور اگر عورت کو اس کا صحیح مقام و مرتبہ نہ دیا جائے تو نا صرف معاشرہ اس کی قابلیت و صلاحیت سے استفادہ کرنے سے محروم رہتا ہے بلکہ عورتیں اپنے مخصوص دائرہ کار یعنی گھر میں بھی خاطر خواہ اور بھرپور کردار ادا نہیں کرسکتیں۔

اصلاح معاشرہ کے عمل میں خواتین کا کردار مردوں کے کردار کے مقابلے میں بہت زیادہ اہم ہے۔ کیوں کہ عورت ماں ہے اور ماں کی گود میں ہر معاشرے کی نئی نسل پیدا ہوتی ہے اور اسی کے ہاتھوں پروان چڑھتی ہے۔ ماں اپنی تربیت سے نسلِ نَو کو کردار و عمل کا ایسا نمونہ بنا سکتی ہے جو انسانیت کے لیے باعث فخر ہو۔ نئی نسل تک زندگی کی اعلیٰ اقدار کو پہنچانے میں عورتوں کا حصہ زیادہ ہوتا ہے اور نئی نسل کی ذات و شخصیت میں اعلیٰ اقدار اور اوصاف حمیدہ کا رچاؤ ماں ہی کرتی ہے۔

غیر محسوس طور پر اپنے نظریات، اپنے طرز فکر اور اپنی شخصی خوبیوں کو اپنی گود میں پلنے والی نئی نسل کو منتقل کرتی رہتی ہے۔ ماں کی گود انسان کی اوّلین درس گاہ ہوتی ہے۔ یہ درس گاہ جتنے بلند معیار کی ہوگی، یعنی ماؤں کی تربیت جتنے بلند معیار کی ہوگی، اگر جذبہ ایمانی کی سچائی کے ساتھ ہوگی اور اسلام کی تعلیمات کی روح کے مطابق ہوگی تو معاشرہ بھی اسی معیار کا ہوگا۔

رسول کریمؐ نے جب صحابہؓ کرامؓ کے سامنے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

مفہوم: ”اے اہل ایمان! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنّم کی آگ سے بچاؤ۔“

تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہم اپنے آپ کو تو جہنّم کی آگ سے بچاسکتے ہیں، لیکن اپنے اہل و عیال کو جہنّم سے کیوں کر بچاسکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ”تم انہیں ایسے کام کرنے کا حکم دیتے رہو جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان کاموں سے روکتے رہو جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔“

اصلاح اور معاشرے کے لیے یہی بنیادی عمل ہے، یعنی اچھائی کا پھیلاؤ اور گناہوں سے روکنے کا فریضہ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اصلاح اور معاشرے میں اہل ایمان خواتین کے کردار کی یہ اساس ہے۔ حدیث مبارک کا مفہوم ہے: ”تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور اس سے (اس کی رعیت کے متعلق) سوال کیا جائے گا۔ اور ماں باپ سے ان کی اولاد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔“

لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ مسلمان خواتین تربیّت اولاد اور اصلاح اولاد کے متعلق ذمّے دار ہیں اور ان سے اولاد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ ہم مسلمان خواتین پر ان احادیث کی روشنی میں فرض عاید ہوتا ہے کہ جو اولاد اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے لطف و کرم سے عنایت کی ہے اس کی تربیّت و پرورش پوری ہوش مندی سے کریں۔

کیوں کہ یہ ایک ایسا اہم فریضہ ہے جس سے پورا معاشرہ بنتا ہے۔ لہٰذا حکیم و بصیر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے تربیّت اولاد، شخصیت سازی اور اصلاح معاشرہ کا جو بے حد اہم اور بنیادی فریضہ مسلمان خواتین کو تفویض کیا ہے اس کے لیے ان سے یوم حشر سوال کیا جائے گا۔

آج جب ہم اپنے معاشرے میں اخلاقی گراوٹ، اعلیٰ اقدار کی کمی اور عملیت کا فقدان دیکھتے ہیں۔ آج جب ہم مسلمانوں کو کردار سے عاری دیکھتے ہیں تو یہ صورت احوال دراصل اس حقیقت کو اُجاگر کرتی ہے کہ آج کی مسلمان مائیں یا تو اخلاصِ عمل سے، جذبۂ ایمانی کے لحاظ سے اس معیار اور اس درجے کی مسلمان خواتین نہیں رہیں یا پھر اپنے فرائض سے کوتاہی کی مرتکب ہو رہی ہیں، جس معیار پر تعلیمات نبوی ﷺ کے مطابق مسلمان ماؤں کو ہونا چاہیے۔

ماؤں کی سیرت و کردار، علم و فضل اور معمولات تو بچے کی شخصیت و ذات پر اس کی ولادت سے پہلے یعنی دوران حمل سے اثر انداز ہوتا ہے اور رحم مادر میں بچے کے ذہن کی ساخت و تعمیر پر گہرے نقوش چھوڑتا ہے۔ تمام اولیائے کرامؒ اور نیک ہستیوں کی مائیں ہمیشہ بہت نیک، متّقی اور باعمل خواتین رہیں۔ راسخ العقیدہ اور باعمل مسلمان خواتین کے بطن سے ہی قابل فخر فرزندان اسلام اور بطل جلیل پیدا ہُوا کرتے ہیں۔ یہی حکمت تھی کہ کائنات کے محسن اعظم خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے اہل ایمان خواتین کی تربیت و تعلیم پر زور دیا اور مسلمان مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کے لیے بھی طلبِ علم کو فرض قرار دیا۔

ماہرین عمرانیات کی نظر میں معاشرتی اصلاح کا جامع اور ہمہ گیر پروگرام یہی ہے کہ افرادِ معاشرہ کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کے اجالوں میں لایا جائے یعنی معاشرتی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ معاشرے کے افراد کو تعلیم یافتہ بنا دیا جائے۔ اور یہ صرف اسی وقت ہوسکتا ہے جب مسلمان خواتین کو حصول علم سے محروم نہ رکھا جائے۔ آج اگر بیٹوں کی تعلیم پر والدین یہ سوچ کر توجّہ دیتے ہیں کہ وہ باشعور شہری بنیں، اپنی معاش بہتر طور پر کما سکیں تو بیٹیوں کو بھی اسی طرح تعلیم سے بہرہ مند ہونے کا موقع دیں کہ وہ باشعور شہری بنیں نیز بہتر ماں، بیوی، بہن اور بہتر بیٹی بن سکیں۔ مسلمان خواتین حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں اگر طلب علم کے فریضے کو اوّلین اہمیت دیں اور اپنی بیٹیوں اور بیٹوں کے حصول علم کی راہ ہموار کریں تو یہ معاشرہ تعلیم یافتہ افراد کا معاشرہ ہوگا اور جہالت کے باعث، جو معاشرتی بُرائیاں ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں ان کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔

قرآن حکیم نے مومن عورتوں کے اوصاف کو بیان کر دیا۔ آپؐ نے عورتوں کو حیا کی تلقین کی، عورتوں کو اپنی زینت کی نمائش سے روکا۔ غور فرمائیے! ان تعلیمات نبویؐ سے عورتوں کے معاشرتی طرزِ عمل سے اصل مقصود معاشرے کو فحاشی، عریانیت اور بے حیائی سے پاک کرنا ہے۔ ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والی خواتین کو معاشرے میں عزّت و وقار اور احترام ملتا ہی ہے۔

تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں معاشرتی اصلاح پر غور کرتے ہوئے اور خواتین کے کردار پر لایعنی بحث کرنے سے بہتر یہ ہوگا کہ آج پاکستانی معاشرے کے قابل اصلاح پہلوؤں کو فرداً فرداً زیرِ غور لایا جائے۔ نیز یہ جائزہ لیا جائے کہ ان مسائل و نقائص کی اصلاح کے ضمن میں تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں مسلم خواتین کا کیا کردار ہوگا۔

آج ہمارے معاشرے میں راتوں رات دولت مند بن جانے کا جنون عام ہے۔ کسب حلال کی اہمیت کو پس پشت ڈال کر دولت کی ہوس نے معاشرے میں بے شمار خرابیوں کو جنم دیا ہے۔ اگر خواتین نبی کریمؐ کی تعلیمات کے مطابق سادگی سے اپنی زندگی بسر کرنے کو شعار بنالیں، غیر ضروری فرمائشیں اور ہر آسائش کی خواہش سے اپنے آپ کو باز رکھیں تو ان کے گھرانے کے مرد ناجائز حصول دولت پر مجبور نہیں ہوں گے۔ راشی و مرتشی دونوں کو جہنّم کی وعید دینے والی حدیث کی نا صرف یاد دہانی کرواکے بلکہ غیر ضروری اخراجات سے پہلوتہی کر کے خواتین رشوت کی لعنت کو معاشرے سے ختم کرنے میں مددگار ہوسکتی ہیں۔

معاشرہ، اخلاقی اعتبار سے جس انحطاط کا شکار ہے۔ اوّل تو یہ کہ اگر ہر عورت حیاء اور پردے کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو تو بے حیائی اور فحاشی کا قلع قمع ہوجائے۔ عورت کی نام نہاد آزادی کے رجحان کی یہ دولت اسلامی معاشرت کے خلاف ہمارے رویّے کی اصلاح صرف اس طور پر ممکن ہے جب ہم اپنی زندگی کو نبی کریم ﷺ کی تلقین کے عین مطابق گزاریں۔ آج اگر مسلمان خواتین اپنے اور اپنی اولاد کے معاشرتی رویّے میں تعلیمات نبوی ﷺ کے تحت یہ روش اختیار کریں کہ ہر مسلمان سے، ہر ہم وطن سے یہ سوچ کر کہ میرے آقا مولا ﷺ نے مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے اور بھائی سے محبّت کی جاتی ہے، اس کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

اس سے مروّت برتی جاتی ہے، اس کا احترام کیا جاتا ہے، اس سے درگزر کیا جاتا ہے۔ اس طرح صوبائی تعصب اور منافرت کا وجود پاکستان کے معاشرے سے عورت ہی ختم کرسکتی ہے۔ نئی نسل میں منشیات کے بڑھتے ہوئے رجحان کا صحیح معنوں میں سدباب مسلمان ماں کے فیضان نظر سے ممکن ہے۔ اگر نئی نسل کے لیے ان کی مائیں ان کی حقیقی دوست اور غمگسار بن جائیں۔

ان کے محرومیوں میں ان کا ذہنی و جذباتی سہارا ہوں۔ ان میں ہمّت و حوصلہ پیدا کرنے والی ہوں اور اپنی اولاد کو اللہ سے لو لگانے کی ترغیب دینے والی ہوں۔ اللہ پر کامل بھروسہ اور مکمل ایمان و ایقان ان کی روح میں اُتار دیں تو ایسے تباہ کن سہاروں کی تلاش یا ایسے سہارے پکڑنا ہمارے بچوں کا مقدّر نہیں بن سکے گا۔

باری تعالیٰ آج کی مُسلم خواتین کو مسلمان ماں کا نُورِ بصیرت اور طرز محبّت عطا کردے۔ تاکہ ہمیں اور ہمارے بچوں کو زندگی گزارنے کا اصل مقصد اور طریقہ سمجھ آجائے اور ہمارا معاشرہ خالصتاً مادی معاشرے کے بجائے ایسا معاشرہ بن جائے جس کا منتہائے مقصود دین و دنیا کی فلاح ہو۔ آمین

خدا کی اتھارٹی کو چیلنج کرتے عاشق

تحریر: نوشی بٹ

قیامت کے روز خدا نے آپ سے دو معاملات پہ حساب کرنا ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ بچپن سے ہم پڑھتے آئے کہ خدا حقوق اللہ تو معاف کر دیں گے سوائے شرک کے، مگر حقوق العباد کے لیے آپ کو اس انسان سے ہی معافی مانگنی پڑے گی جو دنیا میں آپ کی زیادتی کا شکار رہا۔ جب تک وہ معاف نہ کرے آپ بھلے جنتی قرار پائے ہوں، جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

اس بات پہ مجھے اس حد تک یقین تھا کہ جب کبھی میرے ساتھ کوئی زیادتی کرتا، تو میں اس انسان کو قیامت کے دن معافی نہ دینے کا عہد کر کے مطمئن ہو جاتی۔ اور خدا سے شکایت لگا کے غصہ اتر جاتا یقین ہوتا کہ میری معافی کے بغیر تو فلاں فلاں چاہے جتنی نمازیں پڑھے جنت نہیں جا پائے گا۔

اصل بات پہ لکھنے سے پہلے تمہید باندھنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جس خدا کے آپ بطور مسلمان نام لیوا ہیں۔ ایک بار اس بات پہ غور و فکر کر لیں کہ اس نے کیا فرمایا ہے۔ حقوق اللہ میں نماز، قرآن پڑھنا، حج و زکوٰۃ دینا اور اللہ اور اس کے رسول پہ ایمان رکھنا شامل ہے۔ عبادت ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ جس کسی نے عبادت کرنی ہے اس کا معاشرے کے کسی دوسرے فرد پہ نہ تو احسان ہے نہ ہی اس کا اجر اسے کسی انسان نے دینا ہے۔ لہٰذا آپ کی عبادت ڈائریکٹ اللہ سے آپ کا معاملہ ہے۔ اس کا احسان دوسرے انسانوں پہ کرنا یا اپنی عبادات کو بڑھ چڑھ کے بیان کرنا اور ان پہ اترانا چہ معنی دارد۔ یہ تو اللہ کے حقوق ہیں اور وہی جانتا ہے کہ آپ کی عبادتوں میں کتنی سچائی ہے۔ اس کے بعد آپ حقوق العباد پہ آ جائیں جس کا براہ راست تعلق انسانوں اور معاشرے سے ہے۔ انسانوں کے حقوق میں سارے انسان شامل ہیں۔ صرف مسلمان ہی انسان نہیں ہیں۔ جب آپ بطور مسلمان اس بات پہ یقین رکھتے ہیں کہ ساری کائنات اللہ نے بنائی۔ تو اس پہ بھی یقین رکھیں کہ سارے انسان بھی اسی کی مخلوق ہیں کون گمراہ ہے اور کون حق پر اس کا فیصلہ آپ نے نہیں کرنا، اللہ نے کرنا ہے۔

چند دن پہلے جو واقعہ سیالکوٹ میں ہوا اس پہ بہت سی باتیں لکھی اور کہی گئیں۔ بہت سے سوال اٹھے۔ مگر جواب کسی کے پاس نہیں یا شاید جواب کوئی دینا ہی نہیں چاہتا۔ خاموشی میں سب کو پناہ ملتی ہے۔ ہاتھ سے اور منہ سے تو برے کو برا کہنے سے ڈرتے ہیں سو دل میں کسی برائی کو برا کہہ کے خوش ہیں اور سب اسی پہ راضی بہ رضا ہیں۔ فرض ادا کیے بیٹھے ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

اب چند سوالات میرے بھی ہیں۔ جن سے ہیں ان سے جواب کی کوئی امید نہیں۔ مگر کیا کریں میں منہ سے برائی کو برائی کہنے پہ یقین رکھتی ہوں۔ سو میں تو بولوں گی۔

پہلا سوال میرا ان علمائے کرام سے ہے جن کا نیشنل اور انٹرنیشنل دونوں جگہ ایک نام و مقام ہے۔ جنہوں نے دین کی سربلندی اور اس کے پھیلاؤ کا نادیدہ علم تھام رکھا ہے۔ مجھے صرف یہ بتائیں کہ ایسا غیر انسانی سلوک کسی بھی انسان کے ساتھ ہوتے دیکھ کر وہ دنیا اور لوگوں کے سامنے کس منہ سے اسلام امن کا دین ہے کی بات کریں گے؟ آخر اسلام کو اور نبی کی شان کو ایک اٹھانوے فیصد مسلمانوں کی آبادی کے ملک میں کس سے خطرہ ہے کہ آپ کو چوکوں کا نام ختم نبوت چوک رکھنا پڑ جائے؟، آپ کو میٹرو اسٹیشن کا نام ختم نبوت اسٹیشن کرنا پڑے، آپ کو ختم نبوت کے سرٹیفکیٹ دکھانے پڑیں اور پھر بھی آپ کو تسلی نہ ہو تو آپ کو نعرے لگانے پڑیں؟.

دوسرا سوال میرا اپنے ہینڈسم حکمران سے ہے کہ ریاست مدینہ بنانے کی بات کرنے والوں نے کیا یہ نہیں پڑھا کہ اس وقت کے حکمران نے دریائے فرات کے کنارے ایک کتے کے بھوکا مرنے پہ بھی خود کو جوابدہی کا اہل جانا تھا؟۔

آپ کو ایسا کیا خطرہ ہے کہ آپ نے نصاب میں مذہبی شدت پسندی بھر دی۔ آپ خود تو حلف لیتے وقت خاتم النبیین نہیں ادا کر پا رہے تھے مگر آپ نے چھوٹے بچوں کو اسے پڑھنے کا پابند بنا دیا۔ چاہے ان کی زبانوں پہ لکنت ہو یا وہ ٹھیک سے بول نہ پائیں۔ کیا وجہ ہے کہ آپ معاشرے میں بڑھتی شدت پسندی اور مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دینے میں پیش پیش ہیں؟۔

عدالتوں میں بیٹھے ججوں سے میرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ کا کام سکولوں میں جا کر بچوں سے قرآن سننا ہے کہ عدالت میں خجل خراب ہوتے سائلوں کے کیس سننا؟۔ کیا آپ کا کام نہیں بنتا کہ توہین مذہب یا توہین رسالت کے الزام میں لائے گئے لوگوں کا کیس ترجیح پہ سنیں اور اگر الزام جھوٹا ثابت ہو تو الزام لگانے والوں کو پکڑیں۔ مگر آپ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ آپ کو اپنی جان بچانی ہے۔

پارلیمنٹ میں قانون سازی کرنے والوں سے میرا سوال ہے کہ ایسی کیا افتاد پڑی کہ آپ کو 295 سی کا قانون بنانا پڑا۔ کس بات کے خطرے ہیں آپ کو کہ آپ نے ایسا قانون متعارف کروا دیا، جو صرف انتقامی کارروائی میں دشمن کے خلاف استعمال ہوتا ہے۔ کسی کی زمین پہ قبضہ کرنا ہو، کسی سے بدلہ لینا ہو یا کسی کو جیتے جی مارنا ہو، توہین مذہب لگا دو۔ کیونکہ سب جانتے ہیں اس پہ بات کرنے سے اس کی اپنی ہی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی، ایسے اندھے قانون کس لیے بنائے گئے؟۔

ایک سوال میرا اپنے اداروں اور انہیں چلانے والوں سے ہے۔آپ کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔دشمنوں سے لڑنا ہے۔ملک کی سرحدیں کمزور نہ ہوں، یہ خیال رکھنا ہے۔مگر آپ کا کام یہ کیوں بن چکا ہے کہ آپ شدت پسندوں کو پیسے بانٹیں؟۔آپ شدت پسندوں کو انارکی پھیلانے پہ شاباشیں دیں؟۔بیرونی دشمنوں سے لڑنے کے لیے ہم آپ کی تنخواہیں اپنے ٹیکسوں سے ادا کرتے ہیں، مگر آپ انہی پیسوں سے ہم پہ اندرونی دشمن مسلط کر رہے ہیں؟۔
ہم اس ملک کے شہری ہیں محبت کرتے ہیں اس ملک سے، مگر کیا وجہ ہے کہ اس ملک کی زمین ہم پہ تنگ کی جا رہی ہے؟۔ ہم سوال کریں تو غدار ٹھہریں؟۔

اس ملک میں ہر کوئی جس عہدے پہ بیٹھا ہے وہ اپنے عہدے کے حساب سے کوئی کام نہیں کرتا۔استاد کا کام بچوں کو تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت کرنا بھی ہوتا ہے۔مگر یہاں استاد کے اپنے ہی اخلاقیات کے پیمانے ہلے ہوئے ہیں۔مارکٹائی، ہیومیلیئشن اور شاگردوں کو صرف مقررہ وقت میں کتابیں رٹوا کے ان کا فرض پورا ہو جاتا ہے۔

نصاب میں اخلاقیات نامی کوئی چیز نہیں۔ایک صحت مند معاشرے میں فرد کا کیا کردار ہونا چاہئے یہ کہیں نہیں ہے۔اخلاقی تربیت کے بغیر آپ صرف ریوڑ پیدا کر رہے ہیں جن کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں زنگ کھا جاتی ہیں۔کھیل کود کو شیطانی قرار دیا جاتا ہے۔سوال کرنے پہ چپ کروایا جاتا ہے۔

بطور مسلمان جب آپ کا ایمان شروع ہی اس بات سے ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔تو پھر اس بات کا اقرار جگہ جگہ اور زبردستی مسلط کیوں ہو رہا ہے؟۔

ریاست کو یہ بات طے کر لینی چاہئے کہ مذہب ہر فرد کا انفرادی معاملہ ہے۔ ریاست کے لیے تمام شہری برابر ہونے چاہئیں۔اگر آپ ایک جمہوری فلاحی ریاست چاہتے ہیں تو آپ کو یہ کرنا پڑے گا۔ورنہ سلمان تاثیر سے لے کر پریانتھا کمارا تک کی تاریخ کچھ زیادہ پرانی نہیں۔اور ایسی تاریخ پھر ہر کچھ عرصے بعد نئے سرے سے رقم ہوتی رہے گی جس کی زد میں ریاست خود بھی آئے گی۔آخر میں ایسے تمام عاشقین سے میرا سوال یہ ہے کہ قیامت کے روز جب اللہ نے آپ کو مشعال خان، سلمان تاثیر، پریانتھا اور ایسے تمام لوگ جو آپ لوگوں کی جنونیت کی بھینٹ چڑھے، ان سے معافی مانگنے کو کہا تو کس منہ سے معافی مانگیں گے؟ آپ سمجھتے ہیں کہ ایسی جنونیت کے بعد آپ کو حوروں سے ہم بستری کا موقع ملے گا تو ایک بار اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان ڈھونڈ کے پڑھ لیجیے کہ جس میں انہوں نے کہا کہ ایک انسانی جان کی حرمت کعبے کی حرمت سے زیادہ ہے۔انسانی جان کہا مسلمانی جان نہیں۔جس دن آپ کو یہ سمجھ آ گیا کہ اللہ کے کرنے کے کام اللہ پہ چھوڑنے ہیں۔اس دن آپ کا انسان بننے کا عمل شروع ہو گا۔سیالکوٹ سانحے کے ذمہ داران کو کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہئے۔اور ایسے تمام لوگوں کو شٹ اپ کہنا سیکھیں۔جو مذہب کے نام پہ دہشت گردی پھیلاتے ہیں۔جو شدت پسندی کی تعلیم دیتے ہیں۔

مولوی کو مسجد تک محدود کریں۔منبر سے نفرت انگیز تقاریر پہ پابندی لگائیں۔

اپنے بچوں کو محبت سکھائیں۔گردن اتارنا نہیں۔عاشق کبھی ظالم نہیں ہوتا۔اور عاشق کی وجہ سے کبھی محبوب بدنام نہیں ہوتا۔اب فیصلہ آپ کر لیں کہ ان عاشقوں کا عمل کس کے سامنے پسندیدہ ہو گا؟۔یقیناً اللہ کے سامنے بھی نہیں۔

❁❁❁

حجاب عورت کے تحفظ کا وعدہ

تحریر: شہلا ارسلان

ہمارا دین ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی کے سب اصول مدلل انداز میں بتا دیئے گئے ہیں۔ یوں تو ہر طرح کے موضوع پر مکمل علم عطا فرمادیا گیا اس کے باوجود دور حاضر میں بے حیائی اور عُریانی عام ہورہی ہے، آخر کیوں یہ سلسلہ رکنے میں نہیں آرہا؟ اس کی سب سے بڑی وجہ عورتوں کا بے پردہ ہونا ہے، جب عورت ہر کسی پر حسن کے جلوے بکھیرے گی تو بے حیائی ہی جنم لے گی۔ پتہ نہیں کیوں آج کی عورت پردے سے اتنا دور بھاگتی ہے حالانکہ اِس میں تو عورت کا عزت و وقار قائم رہتا ہے۔ ایک طرف تو دین اسلام کی تعلیمات پر عمل درآمد ہورہا ہوتا ہے اور دوسری طرف دنیاوی لحاظ سے دیکھا جائے تو ہر کوئی پردہ دار عورت کی قدر کرتا ہے اور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے یوں عورت کے تحفظ کا وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔

دوسری جانب جو عورت بے پردہ ہو کر گھر سے نکلتی ہے لوگ اس کی بالکل بھی قدر نہیں کرتے۔ بلکہ شک و شبہ میں کے سبب گھر گھر لڑائی کا ماحول بنتا ہے اور نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے، ایسی عورت کو گھر سے باہر بھی کوئی عزت نہیں ملتی۔ لوگ ایسی عورت کو تماشا بنا دیتے ہیں، ہر کوئی غلیظ نظروں سے دیکھتا ہے، حتی کہ حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ تو پھر کیوں نہ ہم لوگ حجاب کو اپنا کر دین اور دنیا دونوں محفوظ کریں۔

اسلامی تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پردے کے احکامات واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن کریم سے بھی بے حد رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر پردے کا حکم بھی نازل فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ یہ تعلیمات بھی دی گئیں کہ آخر پردہ کیوں کیا جائے، اس کی ضرورت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

آپ مومن عورتوں سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں (سورۃ النور: 31)

پھر سورۃ الاحزاب کی ایک آیت 53 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اپنی اوڑھنیوں کو اپنی دنیا بنالیں"

پھر اس کے علاوہ وہ مرد جن سے زینت چھپانے کی پابندی نہیں اُن کے بارے میں سورہ النور آیت 31 میں ناموں کی لسٹ سے بھی اللہ نے واضح تعلیمات دے دی ہیں یعنی ان سب تعلیمات کے جاننے کے بعد معلوم ہوا کہ پردے کی اسلام میں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اسلام نے کس طرح کھول کھول کر تمام تعلیمات واضح فرمائیں تاکہ اُمت مسلمہ کی خواتین کسی قسم کی پریشانی میں مبتلا نہ ہوں لیکن افسوس کہ ہم لوگ عمل بہت کم کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کی نافرمانی کی جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی انسان کو ذلت و رسوائی کی پستیوں میں گرا دیتے ہیں۔ جہاں صرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا جاتا ہے اور کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی سمجھ عطا ہوتی ہے۔

آج کا معاشرہ بہت سی برائیوں سے بھرا ہوا ہے جن میں سے سب سے زیادہ اہم ترین مسئلہ عورت کا بے پردہ ہونا ہے۔ جو اصل فساد کی جڑ ہے۔ آج جو جنسی زیادتی کے واقعات کی بہتات ہو چکی ہے، اس کی اہم ترین وجوہات میں سے ایک بے پردگی ہے۔ یہاں معاشرے کے دہرے اور منافق چہرے کی طرف بھی نظر ڈالتے چلیں کہ کوئی لڑکی اگر اپنے رب کا حکم مان کر پردہ کرلے تو کسی طور اس کا اس حکم پر عمل کرنا قبول نہیں کرتے، معاشرے میں اسکا جینا محال کر دیتے ہیں، اللہ کے حکم پر عمل کرنے پر اسے طنز و مزاح کا نشانہ بناتے ہیں اور اس حد تک کرتے ہیں کہ وہ گھٹنے ٹیک دیتی ہے (الا ماشاء اللہ)۔۔۔

جبکہ جو لڑکی یہ دین کا پردے کا حکم نہ مانے، کھلے عام اللہ کی حدود سے نکلے، اسے ہم ترقی کے مواقع فراہم کرتے ہیں، اسے آئیڈیل سمجھا جاتا ہے۔ اس کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہے۔ مگر یاد رکھیں جب ہم اللہ کی حدود کھلے عام توڑتے ہیں تو پھر چاہتے ہیں ہم سلامت رہیں۔۔؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے، پھر کیوں نہ زلزلے آئیں، کیوں نہ کورونا، برڈ فلو اور ڈینگی جیسی وبائیں پھیلیں۔ اگر ہم قدرت کے اصولوں کو چیلنج کریں گے تو پھر قانون قدرت حرکت میں ضرور آئے گا۔ انسان سمجھ لے اس سے قبل کہ قدرتی آفات اسے مکمل تباہی سے دوچار کر دیں۔

❁❁❁

سورج

آمنہ اظفر

پانی جگ مگ کرتا جائے
سورج اس میں ڈوبا جائے
بڑی سی یہ سونے کی تھالی
کیا معلوم کہاں کھو جائے
مغرب میں جو بستے ہوں گے
کتنے وہ خوش قسمت ہوں گے
ہاتھ بڑھا کر بڑے مزے سے
سورج کو چھو لیتے ہوں گے

❁❁❁

کزن میرج سے متعلق بعض حقائق

تحریر: ڈاکٹر لبنیٰ مرزا

میں ایک اینڈو کرنالوجسٹ ہوں۔ اینڈو کرنالوجی ہارمون سے متعلق بیماریوں کے علاج سے متعلق ہے۔ پاکستان سے میڈیکل کالج ختم کرنے کے بعد یو ایس ایم ایل ای امتحان دیئے، ٹوفل دیا۔ کلینکل اسکل ایگزام بھی پاس کیا، اس کے بعد انٹرنل میڈیسن میں ریزیڈنسی کی، پھر اینڈو کرنالوجی میں فیلوشپ کی۔ اینڈو کرنالوجی میں فیلوشپ کرنے کے بعد میں چانڈ کا میڈیکل کالج کی پہلی اسٹوڈنٹ بن گئی جس نے اس فیلڈ میں مہارت حاصل کی ہو۔ دونوں انٹرنل میڈیسن اور اینڈو کرنالوجی کے امریکن بورڈ ایگزام پاس کیئے۔ اس کے بعد ہارورڈ میڈیکل اسکول میں ایک سال ریسرچ اور بائیو اسٹیٹ کا کورس بھی کیا۔ ہماری ہارورڈ کورس کی کلاس میں ساری دنیا کے اسٹوڈنٹس تھے جن میں سے کافی سارے سعودی عرب اور دبئی سے بھی آئے ہوئے تھے۔ میرے گروپ میں ایک روسی تھی، ایک دبئی کی، ایک انڈین، ایک فلسطینی امریکن، ایک پاکستانی امریکن اور ایک سعودی عرب کی ریاض یونیورسٹی کے جینیات کے ماہر تھے جن کے ساتھ کئی پروجیکٹس پر کام کیا۔ میں ایک ماں ہوں جس کے دو بچے ہیں۔ شادی کلاس فیلو سے کی تھی، عمر بھی برابر ہے اور کزن بھی نہیں تھے۔ بچے ہمارے خوبصورت اور ذہین ہیں۔ سب ماؤں کو اپنے ہی بچے سب سے خوبصورت لگتے ہیں ہوسکتا ہے کہ کسی اور کو نہ لگیں۔ دن کے آخر میں ایک بچہ ماں کی ہی ذمہ داری ہوتا ہے چاہے کوئی کچھ بھی کہتا رہے، یہ ایک عالمی حقیقت ہے۔ اس لئے ہر ماں کو یہی کوشش کرنی ہوگی کہ اس کے بچے جتنا ہو سکے صحت میں ٹھیک ہوں، زندہ رہیں اور دنیا میں کامیاب ہوں۔ وہ بڑے ہو کر مضبوط انسان بنیں جو اپنے اردگرد کی دنیا کو اوپر اٹھا سکیں نہ کہ یہ کہ ان کی وجہ سے اردگرد کے لوگوں کو آہستہ چلنا پڑے۔

جب نوید ابھی دو سال کا بھی نہیں ہوا تھا تو ایک دن میں کام پر تھی، میری امی نے فون کیا کہ نوید باہر جھولے سے گر گیا ہے، وہ چل نہیں سک رہا اور روئے جا رہا ہے۔ اس کو بیک گراؤنڈ میں چلاتے ہوئے میں سن سکتی تھی۔ میری باس ڈرائیو کر کے گھر لائی، اس کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر میں ایمرجنسی لے گئی جہاں ایکس رے سے پتا چلا کہ فیمر چاک کی طرح ٹوٹا ہوا ہے۔ جب اس کو آپریٹنگ روم میں لے گئے تو حالانکہ باہر بہت ساری کرسیاں تھیں لیکن میں زمین پر گھٹنوں کے بل گر گئی اور زور زور سے رونے لگی۔ اپنے دل میں اتنی تکلیف نہ کبھی اس سے پہلے محسوس کی اور نہ ہی دوبارہ۔ اس کو پلاستر چڑھا کر انہوں نے واپس کیا تو وہ ادھر ادھر بھاگ نہیں سکتا تھا اور آدھی رات میں اٹھ جاتا اور ہم دونوں ساری رات بارنی کی وڈیوز دیکھتے تھے۔ اس نے ان مجبور حالات میں بولنا بھی سیکھ لیا تھا۔ بار بار کہتا کہ ”ممی گود میں لے لو!“

میڈیکل اسٹوڈنٹ ہونے کے ناطے مجھے یہ معلوم تھا کہ بچے 35 سال کی عمر کے بعد پیدا کیئے جائیں تو ان میں ڈاؤن سنڈروم کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔ نوید کا پلاستر ایک مہینے میں اتر گیا تھا۔ میرے بچوں کو کوئی کزن میرج والی بیماریاں اگر ہوتیں تو ہم کیا کرتے؟ ان بیچارے تھیلیسیما کے بچوں کی طرح خون چڑھا چڑھا کر زندہ رکھتے اور پھر ان کو مرتے دیکھتے۔ ان ماؤں کی تکلیف کا میں سوچ بھی نہیں سکتی ہوں۔ ہر انسان کو اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق ہے۔ کیا ہم ان لوگوں کی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں جو ابھی دنیا میں آئے بھی نہیں؟

کائنات قدیم ہے اور ہماری انسانی زندگی ایسے ہے جیسے کوئی پلک جھپک لے۔ ہزاروں سال پہلے لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ حمل کیسے ٹھہر جاتا ہے، اس کو سمجھنے میں بھی وقت لگا۔ پہلے زمانے میں بہن بھائی بھی جوڑے بناتے تھے لیکن مشاہدے سے قدیم زمانے کے انسان نے یہ سمجھ لیا کہ بہن اور بھائی کے تعلق سے پیدا ہونے والے بچوں میں جسمانی بیماریاں بہت زیادہ تھیں اس لئیے آہستہ آہستہ یہ رواج ختم ہوگیا اور حالانکہ ریکارڈ کی ہوئی تاریخ اور متھالوجی میں کافی ساری مثالیں موجود ہیں جہاں بہن بھائی نے شادی کی جیسا کہ یونانی خداؤں اور بادشاہتوں میں لیکن پھر بھی آج کی دنیا میں بہن بھائی کے تعلق کو کائناتی طور پر برا سمجھا جاتا ہے۔

کزن میرج دنیا میں ہمیشہ سے ہے۔ ساری دنیا کے سب انسان ایک دوسرے کے کزن ہی ہیں لیکن وہ کافی پچھلی نسلوں میں جا کر۔ کچھ ہزار سال پہلے یہ مشاہدہ بھی کیا گیا کہ قریبی رشتہ داروں میں بنائے ہوئے تعلقات سے ہونے والی اولاد میں بیماریوں کی شرح زیادہ پائی گئی۔ اس وجہ سے آہستہ آہستہ تعلیم یافتہ انسان اور ممالک اس پریکٹس سے دور ہونا شروع ہوئے۔ آج انسان کا جینوم پڑھا جا چکا ہے اور بیماریاں کس طرح ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی ہیں، ہم ان کے بارے میں اتنی تفصیل سے جانتے ہیں جیسا پہلے ممکن نہیں تھا۔ اس فیلڈ میں بہت ریسرچ ہو چکی ہے۔ اب ہزاروں میل کا پیدل سفر کر کے کوئی بڑی لائبریری تلاش کرنے کی بھی ضرورت ختم ہوگئی۔

پب میڈ جیسی ویب سائٹس نے دنیا بھر کے اسکالرز کی تمام زندگی کی کھوج کے نتائج ہماری انگلیوں کی پوروں تک پہنچا دیئے۔

پی یو بی ایم ای ڈی ڈاٹ کام نیشنل میڈیکل لائبریری کی ویب سائٹ ہے جس کو دنیا کے کسی بھی کونے سے دیکھا جاسکتا ہے۔اس میں ایک سرچ بار ہے جس میں کسی بھی ٹاپک کو ڈال کر دنیا بھر میں اس موضوع پر کی گئی تحقیق دیکھی جاسکتی ہے۔

ہیومن ہیریڈٹی جرنل میں یونائٹڈ عرب ایمرٹس کے الغزالی ایل اور حمامی ایچ کے لکھے ہوئے 2014 کے پیپر کے مطابق عرب کم عمری میں شادی کرتے ہیں اور ان کے بڑے خاندان ہوتے ہیں۔عرب کچھ تہذیبی اور اعتقادی اقدار عزیز رکھتے ہیں جس میں خاندان کو ایک مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ کنسینگوئنس میرج یا کزن میرج عرب سماج کا ایک مرکزی ڈھانچہ ہے جس کو معاشرے میں عزت حاصل ہے۔عرب دنیا میں پہلے کزن سے شادی تقریباً 25 فیصد جوڑوں میں پائی جاتی ہے۔اسی وجہ سے آٹوسومل بیماریاں بھی نئے پیدا ہوئے بچوں میں ترقی یافتہ ممالک کے مقابل کافی زیادہ دیکھی جاتی ہیں۔عرب جینیات کے ماہرین نے ایسی کئی بیماریوں پر ریسرچ کی ہے اور ان کی وجوہات اور بچاؤ پر روشنی ڈالی ہے۔اس فیلڈ میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

جنوری 2017 میں مصطفیٰ ایم اور ان کے کولیگز کے مٹرنل اینڈ چائلڈ ہیلتھ جرنل میں چھپنے والے آرٹیکل کے مطابق پاکستان میں کزن میرج کے نتیجے میں پیدا ہوئے بچوں میں بیماریوں اور موت کی شرح زیادہ دیکھی گئی۔

اینلز آف ہومن بائیولوجی میں مظہرالاسلام کے 2016 میں چھپنے والے آرٹیکل کے مطابق عمانی کلچر میں کزن میرج آج بھی قریب 49٪ ہے لیکن اس میں حال میں کچھ کمی آئی ہے کیونکہ عوام میں اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں شعور بڑھا ہے۔اب بھی عمانی سوسائٹی میں کزن میرج عام ہے اور اس سے پیدا ہوئے مسائل کے بارے میں مزید معلومات کی ضرورت ہے تاکہ ایسی شادیوں سے ہونے والی بیماریوں سے آنے والی نسلوں کو بچایا جاسکے۔

پطرس بخاری نے اپنی کتاب میں لکھا کہ عیسیٰ جب کسی مردے کو زندہ کرنا چاہتے تو ہلکی سی قم کہہ دیتے تھے، لٹھ لے کر مریض کے پیچھے نہیں پڑتے تھے۔لوگ اپنی زندگی کیسے گذارنا چاہیں یا کیا فیصلے کریں وہ خود ان پر منحصر ہے۔ڈاکٹر کا کام صرف تشخیص کر کے دوا لکھنا ہے۔

❀❀❀

نسل در نسل چلنے والی بیوٹی ٹپس

خواتین اپنی جلد کے معاملے میں بہت حساس ہوتی ہیں، اسکول، کالج کی طالبات یا پھر دفتر میں کام کرنے والی خواتین کے جلدی مسائل تقریباً ایک جیسے ہی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرتی نظر آتی ہیں۔خوبصورتی بڑھانے اور جلد کے مسائل حل کرنے والے 3 طریقے درج ذیل ہیں جو نسل در نسل آپ تک پہنچتے ہیں۔

<u>ہلدی کا فیس ماسک:</u> ہر گھر کے کچن میں استعمال ہونے والی ہلدی کے بے شمار طبی فوائد ہیں، یہ کھانے میں ذائقہ بڑھانے کے ساتھ خوبصورتی بڑھانے میں بھی کام آتی ہے، ایک کھانے کا چمچ پسی ہوئی ہلدی لیں، اس میں دودھ کے ساتھ بیسن یا چکی کا آٹا شامل کریں، اب اس مرکب کو اپنے چہرے، ہاتھ، پاؤں، گردن اور بازوؤں پر لگائیں اور 10 سے 15 منٹ کے لیے چھوڑ دیں، سوکھنے پر اسے ہلکے ہاتھ سے مساج کرتے ہوئے ٹھنڈے پانی سے دھولیں، اس کے روزانہ استعمال سے جلد پر سورج کی شعاؤں کے مضر اثرات، مردہ خلیے، داغ دھبے صاف ہونے کے ساتھ ساتھ رنگت بھی نکھر جائے گی۔

<u>ملتانی مٹی کا فیس ماسک:</u> صدیوں پرانا خوبصورتی کا ایک سستا ترین طریقہ جسے اکثر خواتین نظر انداز کر کے مہنگی کاسمیٹکس اشیاء کا استعمال کر کے جلد خراب کر بیٹھتی ہیں، ملتانی یا چکنی مٹی جلد کو جھریوں سے نجات دلانے اور سورج کی شعاؤں سے جل جانے والی جلد کے لیے ایک بہترین نسخہ ہے۔ملتانی مٹی میں پانی یا دودھ ملا کر ماسک بنائیں، اسے مزید فائدہ مند بنانے کے لیے اس پیسٹ میں شہد کے چند قطرے، پسا ہوا پودینہ، ایلوویرا جیل یا ہلدی بھی ملائی جاسکتی ہے، اس پیسٹ کو چہرے اور گردن پر 15 سے 17 منٹ تک لگائیں اور سوکھنے پر ٹھنڈے پانی سے دھولیں اور پھر ہشتک کرلیں۔یہ مرکب کیل، مہاسوں اور اضافی چکنائی کے لیے بھی بے حد مفید ہے۔

<u>نمک یا چینی کا اسکرب:</u> کھانے کے دو اہم جز نمک اور چینی جو کھانے کو نمکین یا میٹھا بنانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں انہیں چہرے کی خوبصورتی میں اضافے کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔چینی میں گلوکوز اور نمک میں ایکسفولیٹنگ خصوصیات ہونے کے سبب جب ان دونوں کو ملا کر استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے نتائج حیرت انگیز ہوتے ہیں۔اس ماسک کے لیے ایک کھانے کے چمچ چینی میں آدھا کھانے کا چمچ نمک اور آدھا کھانے کا چمچ شہد ملا کر چہرے پر ہلکے ہاتھوں سے 5 منٹ مساج کریں، اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے چہرے کو دھولیں، اس کے بعد چہرہ صاف کرلیں اور کوئی اچھی سی موسچرائزنگ کریم لگالیں، بہترین نتائج کے لیے ہفتے میں کم از کم 3 بار ضرور اس عمل کو دہرائیں۔

❀❀❀

خوشی

تحریر: قرۃ العین فاروق حیدرآباد

آج کل سچی خوشی ناپید ہو چکی لوگ اپنی زندگیوں میں اتنی الجھنوں کا شکار ہیں کہ لگتا ہے کہ سچی خوشی نہ جانے کہاں چھپی بیٹھی ہے، خوشی اور غم یہ دونوں کیفیات انسان کے ساتھ ساری زندگی رہتی ہیں یہ آنی جانی کیفیات ہیں کوئی ساری عمر غمگین نہیں رہ سکتا تو کوئی ساری عمر خوش جیسے حالات ہوتے ہیں انسان کے احساسات اور جذبات بدلتے رہتے ہیں کبھی کبھی ہمارے بس میں نہیں ہوتا کہ ہم ان خوشی اور غم کے لمحوں کو کس طرح سے سمجھیں و دیکھیں اور کیسے دنیا کے سامنے اپنی ان کیفیات کا اظہار کریں، کسی کے خوشی میں آنسو آجاتے ہیں تو کوئی خوشی میں بہت زیادہ کھاتا ہے، کسی کی خوشی میں بھوک اڑجاتی ہے تو کسی کی خوشی میں نیند وغیرہ وغیرہ، اسی طرح غم کی کیفیات میں بھی لوگ الگ الگ طریقوں سے اپنے غم کا اظہار کرتے ہیں کوئی بالکل خاموش ہو جاتا ہے تو کوئی بہت رو کے اپنے غم کو نکالتا ہے وغیرہ وغیرہ، کبھی کبھی انسان بلاوجہ کے غم پال لیتا ہے اور ان خوشی کے لمحوں کو صحیح معنوں میں انجوئے نہیں کر پاتا جیسا کہ اسے کرنے چاہئیں، خوشی اور غم زندگی کا حصہ ہیں آیئے چند سطریں پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ لوگ کیسے خوشی کا اظہار مختلف مواقعوں پر کرتے ہیں اور کیا کیا کہتے ہیں۔

ہمیں خوشی ہوئی کہ آپ رشتہ لے کر ہمارے گھر آئے، ارے کیوں نہ آتے دونوں بچوں کی اس میں خوشی جو شامل ہے، ہائے میں تو خوشی میں پاگل ہو رہا ہوں کہ لڑکی کے والدین نے ہاں کر دی، ہاں خوشی تو مجھے بھی بہت ہو رہی ہے جو میرے گھر والوں کو آپ لوگ پسند آئے، ہمیں خوشی ہوئی۔ جیسی بہو چاہیے تھی ویسی ہی ملی، ہمیں خوشی ہوئی۔ تم دونوں کو ایک ساتھ خوش دیکھ کر، مجھے خوشی ہوئی تم نے میرا ساتھ دیا، جی مجھے بھی خوشی۔ ہوئی آپ کا ساتھ پا کر، آپ نے تو اتنی خوشی کی خبر سنائی مٹھائی منگواؤ مٹھائی، ہمیں بھی خوشی ہوئی۔ والدین بن کر، ارے ہمیں تو یہ خوشی۔ کی خبر سنائی ہی نہیں تھی اتنے عرصے تک چھپائے رکھی ، دادا دادی نانا نانی کا منہ میٹھا تو کراؤ۔

خوشی کی بات ہے، بس اللہ سب کو یہ خوشی دکھائے، میرے تو خوشی میں آنسو آ گئے، تایا چاچو پھپھی خالہ و ماموں بھی تو خوشی سے نہال ہیں، ارے بھئی سب اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس خوشی کے موقع پر کچھ میٹھا تو بنواؤ، مجھے تو خوشی ہو رہی ہے میرے بچے نے چلنا شروع کر دیا، مجھے خوشی ہو گی اگر اس کا بھی اسی اسکول میں داخلہ ہو جہاں سے میں پڑھا تھا، ارے واہ میرے تو خوشی میں پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے کہ میرے بچے کا داخلہ بھی اسی اسکول میں ہو گیا، اللہ سارے امتحانات میں خوشی خوشی کامیاب کروائے، واہ پورے کالج میں ٹاپ کیا ہے اس خوشی میں ٹریٹ تو بنتی ہے، مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تمہارا اتنی اچھی یونیورسٹی میں داخلہ ہو گیا، ارے کس بات کی اتنی خوشی چڑھی ہے، بہت جلد سب کو میری اس خوشی کا پتہ چل جائے گا، دوستوں سے کونسا پردہ ان سے بھی اپنی خوشی چھپائی جارہی ہے، تو تو بڑا چھپا رستم نکلا اتنی بڑی اور اتنی خوشی کی بات ہم دوستوں سے چھپائے رکھی، یار بدنامی کی وجہ سے تم سے دل کی آرزو اور خوشی چھپائے رکھی، مجھے خوشی ہے کہ میرے بچے نے میرا کاروبار سنبھال لیا، مجھے ساری رات اس خوشی میں نیند نہیں آئی کہ میرے بچے کو کوئی پسند آ گئی، خوشی تو تب ہو جب لڑکی والوں کو ہمارے صاحب زادے پسند آ جائیں، اب اس خوشی کے موقع پر میرا موڈ تو نہ خراب کریں، ہم شام کو جا تو رہے ہیں اللہ کرے۔ خوشی خوشی واپس لوٹیں، مبارک ہو آج میرے یار کی شادی ہے اور میں اس خوشی کے موقع پر خوب بھنگڑا ڈالوں گا۔

اور یوں دل چاہتا ہے کہ ان خوشی کے لمحوں کو جو اپنوں کے ساتھ بیتے ہوں انہیں ہمیشہ کے لئے اپنے پاس اپنی یادوں میں قید کر لیا جائے اس کے علاوہ اور بھی خوشی کے لمحے ہماری زندگیوں میں آتے رہتے ہیں مثلاً کسی بیماری کو شکست دے کر، کسی اچھی تفریحی مقام پہ جا کے، کوئی اچھا تحفہ ملنے کی خوشی، کوئی اچھی کتاب پڑھ کر، کچھ اچھا لکھ کر، بارش کے موسم کو انجوئے کر کے، کسی اچھے اور قریبی عزیز سے ملاقات کر کے، کوئی اچھی کھانے کی ڈش پکا کر، کوئی اچھے کام کرنے کے بعد لوگوں کے تعریفی کلمات سن کر وغیرہ وغیرہ، کبھی بیتی یادوں کو اکیلے میں بیٹھ کر اپنے ماضی میں جھانک کر بھی دیکھیں تو یہ خوشی کے لمحے ہمیں بہت بڑے لگنے لگتے ہیں اور غموں کے بیچ میں رہتے ہوئے چند خوشی کے لمحوں کو اور پھر اپنے اندر اُترتی خوشی کو محسوس کر کے اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ نے ہمیں زندگی میں اتنے اچھے اچھے خوشی کے مواقع دیئے اور آگے بھی دیتے رہیں۔۔ آمین

ایک مثالی باپ کیسا ہوتا ہے؟

تحریر: سوفی ہرڈچ

وسطی افریقہ کے اکا نامی قبائلی مرد اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں جب ان کی عورتیں شکار کے لیے جنگلوں میں گئی ہوتی ہیں۔ قبائلی مردان بچوں کو پیار سے رکھتے ہیں، ان کو صاف رکھتے ہیں اور انھیں کھیل میں مشغول رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ کسی بھی دوسرے معاشرے کے مردوں کی نسبت زیادہ وقت بسر کرتے ہیں۔ ان کے اپنے بچوں سے اتنے لگاؤ کی وجہ سے انٹرنیٹ پر تبصرے کرنے والوں نے انھیں 'دنیا کے بہترین باپ' کالقب دیا ہے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخ کے اس سفر میں ایک اچھے باپ کے تصور میں کتنی تبدیلی آچکی ہے۔ آج کئی باپ حساس ہونے، خیال رکھنے اور اور بچے کے ہر معاملے میں دلچسپی لینے کی وجہ سے پسند کیے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر تحقیق کی بڑھتی ہوئی ضخامت کی وجہ سے انسانی سوچ میں تبدیلی آرہی ہے کہ وہ کس طرح اپنے بچے کی زندگی کو ایک جہت دے سکتے ہیں اور کس طرح روایتی سوچ، بود و باش کے تصورات اور جنسی ذمہ داریوں کے خیالات میں تبدیلی لا رہے ہیں۔

یہ بہت ہی منفرد پیش رفت ہے کیونکہ ستر کی دہائی تک بچے کی نشونما میں باپ کے کردار پر تحقیق نہیں ہوتی تھی۔ باپ کے کردار کو زیادہ تر گھر کا کمانے والا لیا جاتا تھا جو ماں کے نان و نفقہ کا ذمہ دار ہوتا تھا، اور جو بچوں کے لیے جذبات کا ایک مضبوط سہارا بنتا تھا۔ یونیورسٹی آف کیمبرج کے ایک ماہر نفسیات پروفیسر مائیکل لیمپ جو سنہ ستر کے دہائی سے بچے کی پرورش کے بارے میں باپ کے کردار کا مطالعہ کرتے آئے ہیں، کہتے ہیں کہ 'اس پر بہت زیادہ زور تھا کہ ماں سے تعلق بہت اہم ہے، جبکہ معاشرے میں دوسرے افراد سے تعلقات کے بارے میں زیادہ بات نہیں ہوتی تھی۔'

'ان میں سب سے زیادہ نظر آنے والا باپ اور بچے کا تعلق تھا، ایک تعلق جو بچے کے بڑے ہونے کی صورت میں اہم بنتا تھا، لیکن اس تعلق کو ہمیشہ ماں کے تعلق سے کم اہم سمجھا جاتا تھا۔ تاہم جیسا کہ یونیورسٹی آف ایمسٹرڈم کی میرین بیکر مینز۔ کرینبرگ جو کہ نئے باپ بننے والوں اور ان کے خانگی تعلقات کا مطالعہ کرتی ہیں، کہتی ہیں نصف کے قریب والدین میں باپ ہوتے ہیں، لیکن پھر بھی نناوے فیصد تحقیق ماں کے کردار پر مرکوز ہوتی ہے۔' اب نئی تحقیق یہ بتا رہی ہیں کہ ایک بچے کی معاشرتی دنیا پہلے کی سوچ کی نسبت زیادہ پھیلی ہوئی ہے، زیادہ پیچیدہ ہے۔ صرف باپ ہی توجہ کا مرکز نہیں رہا ہے۔ نانا، دادا، ہم جنس والدین، اکیلی ماں یا اکیلا باپ نے بھی محققین کو بچے کی نشونما کو سمجھنے میں مدد دی ہے، اور یہ کہ صرف ایک شخص کے دیکھ بھال کرنے تک محدود نہیں ہے۔

پروفیسر مائیکل لیمب کہتے ہیں کہ 'گزشتہ 45 برسوں میرے استدلال کا ایک اہم جزو یہ رہا ہے کہ اصل میں ایک نہیں، بلکہ متعدد عوامل اہم رہے ہیں۔ ہم ان عوامل کی اہمیت کے فرق کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ہمیں تو یہ بھی تسلیم کرنے کی ضرورت ہے کہ ایک بچے کی نشونما میں پورے ایک گاؤں کا دخل ہوتا ہے جس میں کئی طرح کے رشتے اور ان کی نوعیت ہوتی ہے۔'

حال ہی میں ہونے والی کئی مختلف رپورٹوں میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ والدین کی ذمہ داریوں میں کتنا تنوّع ہوسکتا ہے۔ اسرائیل کی بار-الان یونیورسٹی کی پروفیسر رُوتا فیلڈ مین نے یہ دریافت کیا ہے کہ ماؤں کی طرح باپ کے جسم کے ہارمونز میں بھی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جب وہ اپنے بچے کے ساتھ کھیل رہے ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کے رشتے اور تعلق کی گرمی بڑھ رہی ہوتی ہے۔ جب صرف تنہا باپ ہی بچے کی نگہداشت کر رہا ہوتا ہے تو اس کا دماغ اپنے آپ کو اُس حالت کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔

اور جذباتی وابستگی بھی اہم ہوتی ہے۔ جو بچے باپ سے دور رہنے والے بچوں کی نسبت باپ سے جذباتی طور پر لگاؤ رکھتے ہیں ان کی کم سنی سے ہی ذہنی نشونما تیز ہوتی ہے اور ان کے رویے میں بعد کے دور میں مسائل پیدا ہونے کے کم امکانات ہوتے ہیں۔ بڑی عمر کے بچوں کو بھی باپ کی قربت سے فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ بچے جن کے باپ یا باپ کی جگہ پر باپ جیسے افراد جذباتی طور پر مدد دیتے ہیں وہ اپنی زندگی سے اتنے ہی زیادہ مطمئن ہوتے ہیں اور اپنے اساتذہ اور دوسرے بچوں سے بھی اچھے تعلقات استوار کر سکتے ہیں۔

پروفیسر لیمب کا کہنا ہے کہ باپ کے بچے کے ساتھ مضبوط جذباتی تعلق بننے کے عوامل وہی ہیں جو کہ ایک ماں کے لیے ہوتے ہیں۔

پرانی تحقیق میں یہ کہا جاتا تھا کہ ماں اور باپ مختلف انداز میں بچے پر اثر انداز ہوتے ہیں، ماں کا رشتہ نازک نگہداشت کی وجہ سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے جبکہ باپ کا رشتہ

روایتی کھیل کود کی وجہ سے بنتا ہے۔لیکن پروفیسر لیمب کہتے ہیں اس رشتے میں فرق کا جنس سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ کہ بچے کی نگہداشت میں کون کتنا وقت دیتا ہے۔ایک ہی صنف سے تعلق رکھنے والے والدین اور گھر پر رہنے والے باپ کے بارے میں مطالعے ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی بھی صنف ہو اصل میں جو بات اہم ہوتی ہے وہ یہ کہ ان میں کون ہے جو دن میں بچوں کے ساتھ وقت صرف کرتا ہے، کون بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے جیسا کہ بچے کو گود میں اٹھانا اور ان کو ہوا میں لہرانا وغیرہ۔ والدین میں سے جو بھی بچے کے ساتھ زیادہ وقت گزارے گا وہ ان پر اتنا ہی اثر انداز ہوگا اور بچے اُس سے اتنا ہی خوش رہیں گے۔مرد اور عورت کے جوڑوں میں جو بھی دن میں بچوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارتا ہے وہ مختلف سماجی اور اقتصادی عوامل کی وجہ سے اب بھی ماں ہے۔

ان میں سے کسی ایک کو چھٹی لینا پڑتی ہے۔تمام ترقی یافتہ ممالک میں سوائے امریکہ کے، سرکاری تنخواہ کے ساتھ زچہ کے لیے چھٹی ہوتی ہے لیکن زچہ کے شوہر کے لیے یعنی نومولود بچے کے باپ کے لیے زچہ کی نسبت، نصف دنوں کی چھٹی ہوتی ہے جو صرف دو مہینوں کے لیے ہوتی ہے۔اس دوران مرد اور عورت کی تنخواہوں میں جو فرق برقرار ہے، اس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ عورت کے لیے بہتر ہوتا ہے کہ وہ گھر پر رہے اور مرد کام کرتا رہے۔

یہی اس بات کا جواب ہے کہ صرف باپ کی بچے کی پیدائش کے موقع پر چھٹیوں سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ہے۔برطانیہ میں جہاں والدین کی بچے کی پیدائش کے موقعے پر مشترکہ چھٹیوں کی سہولت موجود ہے، صرف دو فیصد جوڑے ایسے ہیں جو چھٹیاں لیتے ہیں۔حقیقت میں اکا قبیلے کی تمام تعریف و توصیف کے باوجود، عورتیں ہی بچے کی نگہداشت کا زیادہ کام کرتی ہیں۔وہ شکار بھی کرتی ہیں، بچوں کو کھانا بھی کھلاتی ہیں، انھیں جھولے میں سُلاتی بھی ہیں، لیکن تاحال کسی نے بھی انھیں دنیا کی بہترین ماں کا لقب نہیں دیا ہے۔لیکن تحقیقیات سے پتہ چلا ہے کہ اگر باپ کو بچے کی پیدائش سے ہی بچے کی نگہداشت میں مصروف کیا جائے تو زیادہ فائدے ہو سکتے ہیں اور وہ بچوں کے ساتھ کھیلیں، سکون سے یا خوب اُدھم کود مچائیں۔

یونیورسٹی آف کیمبرج سے پروفیسر رام چندنی جو بچوں کی تعلیم اور نشو نما میں کھیلوں کی اہمیت کا مطالعہ کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ’کھیل کود بچپنے کی زبان ہے: اسی کھیل کود سے بچے دنیا کو سمجھتے ہیں، اسی طرح وہ دوسرے بچوں کے ساتھ رشتے استوار کرتے ہیں۔‘ وہ اور ان کی ٹیم نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ جو باپ اپنے بچوں کے ساتھ ان کی زندگی کے پہلے چار مہینوں میں کھیلتے ہیں وہ بچوں کی زندگی کی نشو نما کی سمت طے کرتے ہیں۔ان کے بارے میں ان محققین کا کہنا ہے کہ کم سنی میں باپ کے ساتھ بچوں کا میل جول پچھلی تحقیق کی سوچ کی نسبت کہیں زیادہ اہم ہے۔

وہ بچے جن کے باپ ان کے ساتھ کھیلتے کودتے رہے ان بچوں کے رویوں میں ان بچوں کی نسبت مشکلات کم نظر آئیں جو اپنے باپ سے دور رہے۔ایسے بچوں کی دو برس کی عمر میں ذہانت بھی بہتر نظر آئی، مثال کے طور پر مختلف اجسام کو پہچاننے میں وہ زیادہ ذہین نظر آئے۔تحقیق کے ان نتائج کا ماں کے بچے سے اپنی نوعیت کے رشتے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔پروفیسر رام چندنی کہتے ہیں کہ یہ تحقیق آپ کو بتاتی ہیں کہ اس سے پہلے کہ آپ کا بچہ گھٹنوں چلنا شروع کردے آپ ان کے ساتھ کھیلنا شروع کردیں: ’کچھ باپ اپنے بچوں کے ساتھ کھیلتے نہیں جب وہ بہت چھوٹے ہوتے ہیں، کیونکہ انھیں صحیح طرح معلوم نہیں ہوتا ہے کہ انھیں کیا کرنا چاہئیے، یا انھیں یہ یقین نہیں ہوتا کہ جو کھیل رہے ہیں وہ صحیح ہے یا نہیں۔‘ لیکن ایک زچہ بھی اسی طرح سوچ سکتی ہے کہ وہ نومولد بچے کے ساتھ کیا کرے۔تاہم رام چندنی کہتے ہیں کہ بچے کے ساتھ کھیلنا بہت ہی اچھا کام ہے، گود میں بچے کو بٹھانا، اس کی آنکھ سے آنکھ ملانا اور صرف یہ دیکھنا کہ وہ کس بات سے خوش ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ اہم بات اپنا رابطہ بنانا ہے، کیونکہ یہ ربط بہتر ہوگا اگر آپ بار بار دہرائیں گے۔یہ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے: ’یہ جسم میں قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے۔کچھ لوگوں میں یہ صلاحیت بہتر ہوتی ہی، لیکن کچھ لوگوں میں یہ ربط بنانے میں وقت لگتا ہے۔‘اس طرح کئی لحاظ سے پہلے کی نسبت اب باپ بچے کی نگہداشت کے عمل میں زیادہ شامل ہے۔باپوں کی تنظیمیں ہیں، بچوں کو مساج کرنے کے طریقے ہیں، اور آن لائین بے انتہا مقبول ویڈیوز ہیں۔

شاید آپ کو ایسے باپ بھی مل جائیں جو ماؤں سے زیادہ اچھی نگہداشت کرتے ہوں۔ لیکن بچوں کی پرورش کا زیادہ کام پھر بھی ماں ہی کے حصے میں آتا ہے۔اس وقت دنیا بھر میں ایک عورت بچے کی پرورش سمیت کئی اور بلا معاوضہ کام ایک مرد کی نسبت دس گنا زیادہ کرتی ہے۔ایک علم البشریات کی ماہر اور والد کے جدید رول پر ایک کتاب کی مصنف این میچین کہتی ہیں کہ ’ہم اس وقت باپ کے کردار کو سمجھنے کے بارے میں تاریخ کے دوراہے پر ہیں۔میچین خطرہ محسوس کرتی ہیں کہ خاندانوں پر مالی دباؤ کی وجہ سے والدین کا روایتی کردار شاید واپس آجائے۔ممکن ہے مستقبل میں کسی دفتر میں کسی مرد چیف ایگزیکیٹیو کا بچے کو اٹھانا اسی طرح عام بات ہوگی جیسے اکا قبیلے کے مردوں کا بچوں کو اٹھانا سمجھا جاتا ہے۔ماہرین کے مطابق ایک مثالی باپ کا کوئی ایک ماڈل نہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اصل بات جذباتی طور پر بچوں کے قریب ہونا اور ان کی ضروریات کو سمجھنا ہے۔’مختلف لوگ یہ کام مختلف طریقے سے کرتے ہیں۔‘ ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے لیے کیا مناسب ہے اور وہ کیسے اپنے بچوں کے ساتھ اچھا رشتہ قائم کرسکتا ہے۔

❁❁❁

کیا پاکستانی معاشرہ میں عورت کی کامیابی کیلئے اس کا شادی شدہ ہونا ضروری ہے؟

تحریر: ثنا آصف ڈار

’طلاق میری زندگی کا اہم موڑ تھا، شاید میری زندگی کا سب سے بڑا حادثہ مجھے طلاق ہونا تھا۔ مجھے کہا گیا دوبارہ شادی کرلو، آدمی کے بغیر نہیں رہ پاؤ گی لیکن میں ایک شادی سے نکل کر دوسری میں نہیں جانا چاہتی تھی۔‘ ’میں بہت پریشان تھی لیکن میرا دماغ اتنا کام کر رہا تھا کہ اس وقت دوبارہ شادی کا فیصلہ درست نہیں۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میری زندگی ایک شادی نہیں بلکہ معاشی خود مختاری بچا سکتی ہے۔ میرا یہ ماننا ہے کہ شادی یا کسی مرد کا آپ کے ساتھ ہونا آپ کی کامیابی کی ضمانت نہیں۔‘ یہ کہنا ہے 33 سالہ خدیجہ رحمان کا جو ایک سنگل مدر ہیں۔ بی بی سی نے خدیجہ سمیت چند خواتین سے بات کی اور یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ کیا ایک خاتون کی کامیابی کے لیے اس کا شادی شدہ ہونا ضروری ہے، غیر شادی شدہ خواتین کو کس قسم کے معاشرتی رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کیا سنگل خواتین خود کو کامیاب سمجھتی ہیں یا نہیں؟ کمیونیکیشن کے شعبے سے وابستہ اسلام آباد کی ثنا زبیری، جنھوں نے ابھی تک شادی نہیں کی، کہتی ہیں کہ خواتین کا کریئر اور تعلیم ہونے کے باوجود بھی ان کی شادی کو سب سے اہم چیز سمجھا جاتا ہے۔ ’بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ شادی کیوں نہیں کی، ایسا کیا ہو گیا، کیا مسئلہ ہے، تو کبھی کبھار اس کا جواب نہیں ہوتا۔‘ کچھ ایسا ہی ہمیں 38 سالہ آمنہ یاسر نے بھی بتایا جو شادی شدہ اور دو بچوں کی ماں ہیں۔ آمنہ بتاتی ہیں کہ شادی سے پہلے وہ ملازمت پیشہ خاتون تھیں اور ان پر بھی شادی کے لیے دباؤ ڈالا جاتا تھا۔ ’میری فیملی، رشتہ داروں اور دوستوں کی جانب سے دباؤ تھا کہ عمر زیادہ ہو رہی ہے شادی ہونی چاہیے لیکن میں اپنی زندگی سے مطمئن تھی، میں کام کر رہی تھی اور خود مختار تھی، مجھے شادی کی کمی محسوس نہیں ہوتی تھی۔‘

غیر شادی شدہ خواتین کو کن معاشرتی رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ثنا کہتی ہیں ’کچھ لوگ آپ کو بہت بے چارا سمجھتے ہیں، شاید ان کی نیت اچھی ہوتی ہے لیکن بہت عجیب لگتا ہے جب کوئی آپ پر ترس کھا کر بات کرتا ہے۔ کچھ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ بہت مشکل انسان ہیں، آپ کے معیار بہت بلند ہیں۔‘ ’بے شک آپ اپنی زندگی میں خوش ہوں، آپ کامیاب ہیں، آپ بہت سی ایسی چیزیں کر رہی ہیں جو دوسرے نہیں کر پاتے لیکن معاشرہ آپ کو بار بار یہ بات یاد کراتا ہے تو آپ خود بھی محسوس کرنے لگتے ہیں کہ شاید مجھ میں کوئی کمی رہ گئی ہے اور لوگ یہی چاہتے ہیں کہ آپ اس کمی کو محسوس کریں۔‘

وہ بتاتی ہیں کہ جب وہ اپنی عمر کی 20 کی دہائی میں تھیں تو انھیں بہت عجیب وغریب مثالیں دی جاتی تھیں۔ انھوں نے ہنستے ہوئے بتایا ’مجھے کہا گیا آپ کی ایک ایکسپائری ڈیٹ ہوتی ہے، دیر کر دی تو بہت دیر ہو جائے گی، آپ ایک گوبھی کے پھول کی طرح ہوتے ہیں اگر زیادہ وقت گزر جائے تو آپ مرجھا جاتے ہیں۔‘ وہ کہتی ہیں کہ معاشرہ لڑکی اور اس کے والدین میں ایک خوف ڈال دیتا ہے کہ اگر ابھی شادی نہ ہوئی تو کبھی نہیں ہو گی۔ دوسری جانب خدیجہ بتاتی ہیں کہ طلاق کے بعد انھیں لوگوں کے اصل چہرے دکھائی دیے۔

’طلاق کے بعد آپ کو جو باتیں سننا پڑتی ہیں اللہ نہ کرے وہ کسی کو سننی پڑیں۔ یہ سب اتنا تکلیف دہ ہوتا ہے کہ ہر کوئی کہتا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں لیکن آپ کو تنہا اس سے گزرنا پڑتا ہے۔‘ ’لوگ ایک سنگل عورت کو کھلی تجوری کی طرح دیکھتے ہیں کہ اس تک رسائی آسان ہے اور ہر کوئی باآسانی اس تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔‘ ’لوگ آپ پر ترس کھاتے ہیں کہ آپ کو طلاق ہو گئی، آپ کو مشورے دیے جاتے ہیں کہ دوبارہ شادی کرلو، کیونکہ ان کے نزدیک جو شوہر کر سکتا ہے وہ تم نہیں کر پاؤ گی۔‘

شادی زیادہ اہم یا کریئر ۔۔۔؟ ثنا کہتی ہیں ’ہماری سوسائٹی میں عورت کو برابر سمجھا ہی نہیں جاتا، ہم نے معاشرے میں اس کے کردار کو معین کر دیا ہے کہ اس کا کام کچن میں رہنا، اپنے شوہر کی خدمت کرنا اور بچوں کا خیال رکھنا ہے جبکہ اس کا کریئر بہت بعد میں آتا ہے۔‘

’لوگوں کو خود مختار خواتین پسند نہیں ہوتیں، وہ ان کی ذہنی آزادی سے پریشان ہوتے ہیں۔‘ وہ کہتی ہیں ’میں شادی کے خلاف نہیں ہوں لیکن چاہتی ہوں کہ جس سے میری شادی ہو اس سے میری مطابقت ہو۔ سمجھوتہ شادی کے بعد ہونا چاہیے، آپ کو کبھی ایسا نہیں لگنا چاہیے کہ آپ کی شادی ہی ایک سمجھوتہ ہے۔‘ لیکن آمنہ اس بات سے اتفاق نہیں کرتیں۔ وہ کہتی ہیں ’آپ پروفیشنل زندگی میں کبھی بھی واپس آ سکتے ہیں، لیکن بچوں کے ساتھ گزارا وقت واپس نہیں آ سکتا لہٰذا میں نے انتہائی سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا کہ مجھے اپنے بچوں کو وقت دینا ہے۔‘

ان کا یہ بھی ماننا ہے کہ ورکنگ خواتین اپنے بچوں پر بھرپور انداز میں توجہ نہیں دے پاتیں، کیونکہ آٹھ نو گھنٹے دفتر میں گزارنے کی وجہ سے بچوں کی پرورش میں کمی رہ جاتی ہے۔

دوسری جانب خدیجہ رحمان کے لیے شادی کا نہ ہونا یا طلاق یافتہ ہونا بڑا مسئلہ نہیں رہا۔ وہ کہتی ہیں ’زیادہ تر لڑکیاں طلاق کے بعد سمجھتی ہیں کہ اب بس سب ختم ہو گیا لیکن ایسا نہیں ہے، عورت کو چاہیے کہ وہ خود اپنی حوصلہ افزائی کریں۔‘

کیا آپ خود کو کامیاب سمجھتی ہیں؟ ثنا اپنی زندگی سے مطمئن ہیں اور خود کو ایک کامیاب انسان سمجھتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں ’میں بہت اچھا پڑھ چکی ہوں، میرے کام کا تجربہ بہت اچھا ہے، میرے پاس ٹیلنٹ ہے تو انفرادی طور پر خود کو کامیاب سمجھتی ہوں، میں مکمل ہوں۔‘

دوسری جانب خدیجہ بھی کچھ ایسا ہی سوچتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں ’طلاق کے باوجود میں خود کو ناکام نہیں سمجھتی، میرے لیے روز ایک نیا دن ہوتا ہے، کسی دن میں بہت زیادہ کامیاب ہوتی ہوں اور کسی دن میں کوشش کر رہی ہوتی ہوں، ہاں لیکن میں ناکام نہیں ہوں۔ مجھے اپنی زندگی اب بہتر لگتی ہے، شاید اس سارے مرحلے سے گزر کر ہی مجھے یہاں تک پہنچنا تھا۔‘ لیکن ان دونوں خواتین کے برعکس آمنہ یاسر شادی کے بعد خود کو زیادہ کامیاب سمجھتی ہیں۔ ’میرے لیے میری ترجیح میری فیملی اور بچے ہیں۔ میرے نزدیک آپ کامیاب تب ہی ہیں جب آپ شادی شدہ ہیں اور آپ کے بچے آپ سے مطمئن ہیں۔ میں شادی کے بعد خود کو زیادہ کامیاب سمجھتی ہوں۔‘

انھوں نے ہمیں بتایا کہ ان کے سسرال کی جانب سے ان پر جاب کرنے یا نہ کرنے کا کوئی دباؤ نہیں لیکن وہ اس چیز کی بہت تعریف کرتے ہیں کہ میں نے پروفیشن کی بجائے اپنے بچوں اور فیملی کو ترجیح دی ہے۔

❀❀❀

معاشرہ بنانے میں عورت کا کردار

تحریر: ایس اے خان

یہ انسانی تاریخ کا المیہ ہے کہ صنف نازک پر ہر دور میں ظلم وستم اور ان کے حقوق کی پامالی کو روا سمجھا گیا۔ چنانچہ اگر ہم دنیا کی تاریخ کا بنظر طائر مطالعہ کریں تو ہمیں اسلام کی آمد سے قبل عورتوں کا کوئی کلیدی کردار سماج کو بنانے میں نظر نہیں آتا۔ زمانہ ء جاہلیت میں بعض قبائل عرب تو درندگی کی حد کو پھلانگ چکے تھے، چنانچہ وہ اپنے بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، لیکن اسلام نے حوا کی بیٹیوں کو عزت واحترام سے نوازا۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں ہر شعبہ زندگی میں خواتین اسلام کے نمایاں اور رواضح نقوش نظر آتے ہیں۔ نبوت جیسی اہم ذمہ داری کو نبھانے اور ثابت قدمی کے ساتھ دعوت الٰہی کو عام کرنے میں حضرت خدیجہ حضور ﷺ کی حوصلہ افزائی ہی نہیں بلکہ سب سے پہلے ایمان لا کر انکی صداقت و امانت داری کی شہادت اور غیر متزلزل ستون بن کر آپ کو سہارا دیتی ہیں۔ قرآن کریم نے (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) کہہ کر مرد اور عورت کے مابین کسی اور بنیاد پر فوقیت کی جڑیں کاٹ دیں اور یہ اعلان کر دیا کہ تم میں سے اللہ کے نزدیک وہی معزز و قابل احترام ہے جو زیادہ متقی و پرہیز گار ہو۔ آج ہمارے معاشرے میں عورتوں کے تعلق سے اسلام سے قبل کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے، خواتین کے بنیادی حقوق غصب کئے جا رہے ہیں، انہیں ناقص العقل، فطرتاً ضعیف و ناتواں گردانا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات تاریخ کی داستان بن کر محفلوں وجلسوں میں تو دہرائی جانے کے لئے باقی رہ گئی ہیں لیکن عملی طور پر انہیں بروئے کار لانے کی جدوجہد نہیں کے برابر ہے، بلکہ عملی مظاہرے قول کے برعکس نظر آتے ہیں۔ تنگ نظری کی فضا اب تک چھائی ہوئی ہے، آج بھی خواتین کو اپنی زندگی کے فیصلے لینے کا کلی اختیار حاصل نہیں ہے، آج بھی لڑکیوں کے تعلق سے والدین کے برتاؤ میں واضح فرق نظر آتا ہے، لڑکوں کو تو اعلی سے اعلی تعلیم دلانے کیلئے والدین رات دن ایک کر دیتے ہیں اور اپنی گاڑھی کمائی کا بیشتر حصہ ان کی تعلیم پہ لگا دیتے ہیں، لیکن جب لڑکیوں کی تعلیم کی بات آتی ہے تو یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ ان کو اعلی تعلیم کی کیا ضرورت ہے۔ وہ اپنے حققوق کی حصولیابی کیلیئے گھروں میں سسکتی رہتی ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کے بجائے ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو صلاحیت ان میں ابھر کر سامنے آنے والی تھی وہ کہیں نہ کہیں دب کر رہ جاتی ہے، اور خود اعتمادی کا قیمتی سرمایہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے، یہاں تک کہ ان کے ذہنوں میں یہ بات پیوست ہو جاتی ہے کہ انکا یہی مقدر رہے۔

اس بات پہ تو زور دیا جاتا ہے کہ ماں کی گود بچوں کیے لیئے سب سے پہلی درسگاہ ہے لیکن اس درسگاہ کا معلم وہ ہے جو خود اپنا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ آج تک خواتین اپنے مسائل دریافت کرنے کیلئے مردوں کی محتاج ہیں۔ خواتین کے تعلق سے تنگ نظری کے مظاہر ہمارے معاشرے میں بے شمار ہیں اور ظلم کی انتہا اس وقت دیکھنے میں آتی ہے جب اس تنگ نظری کو مذہب کا نام دے دیا جاتا ہے۔ جب خواتین کے حقوق کی بات کی جاتی ہے تو اپنے عیوب پر پردہ ڈالنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نظر نہیں آتا کہ مغربی تہذیب کا ماتم کیا جائے۔

گرچہ مسلم معاشرے میں طلاق کی شرح کم ہے، لیکن ان مطلقہ خواتین کا کون ذمہ دار ہوگا جنکا کوئی پرسان حال نہیں، اگر وہ اپنے حقوق کیلئے آواز بلند کریں تو یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اس کے پیچھے غیروں کی سازش ہے، بلکہ ہمیں وقت کی نزاکت کو سمجھنا ہوگا، حقائق سے چشم پوشی کے بجائے انکا صحیح حل تلاش کرنا ہوگا۔ قرآن وسنت نے خواتین کو جو حقوق عطا کئے ہیں، انہیں ان سے محروم کر دیا گیا ہے، کیا یہ تلخ حقیقت نہیں کہ اگر خواتین میراث میں اپنے حقوق کی بات کرتی ہیں تو گھر والوں کے چہرے پہ شکن پڑنے لگتی ہے۔ سماج کی ترقی اور نسل نو کی صحیح آبیاری کیلئے ضروری ہے کہ خواتین کو وہ سب حقوق دیئے جائیں، جو اسے اسلام نے دیے ہیں او ان کے سماجی کردار کو بحال کیا جائے۔

پاکیزہ معاشرے کی تعمیر کیلئے خاندانی نظام کا زیادہ سے زیادہ مضبوط اور کامیاب ہونا انسانوں کیلئے انتہائی ضروری ہے۔ اس کی شروعات شوہر اور بیوی کے ازدواجی تعلق، میل ومحبت سے ہوتی ہے۔ رب العالمین نے اور رسول کریم ﷺ نے شوہر کی حد متعین فرمائی ہے اور بیوی کی بھی حد کا تعین کیا ہے۔ اگر دونوں اپنی حدود کے اندر رہ کر زندگی گزاریں تو بڑی خوشگوار زندگی گزر سکتی ہے اور بہت سی ایسی فیملیز (Families) ہیں جو اسلامی قوانین پر عمل کر کے خوشگوار زندگی گزار رہی ہیں۔ میاں بیوی میں اعتماد کی کڑی جتنی مضبوط ہوگی ایک دوسرے پر جس قدر اعتماد (Trust) قائم رہے گا اسی قدر خوشگوار اور پرسکون زندگی گزرے گی اور اس کے اچھے اثرات بچوں پر پڑیں گے۔ آقائے دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ ط

ترجمہ: مومنین میں کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں سے زیادہ بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث حسن صحیح ہے۔ (باب شوہر پر عورت کے حقوق کے بیان میں جلد دوم، جامع الترمذی، حدیث ۲۶۱۱) دوسری حدیث یہ دنیا ساری کی ساری پونجی ہے (برتنے کی چیز ہے) لیکن ساری دنیا میں سب سے بہترین قیمتی چیز نیک وصالح عورت ہے۔ قربان جائیں آقا کے ارشاد پر۔ بہترین اور قیمتی چیز عورت کو بتا کر اس کی عزت و وقار میں چار چاند لگا دیئے۔ یہ ہیں عورتوں پر اسلام کے احسانات۔ (باب نیک اور صالح عورت کا بیان، سنن صحیح ونسائی صحیح، جلد دوم حدیث نمبر ۳۲۲۳) آقا ﷺ نے فرمایا: جس عورت نے اس حال میں انتقال کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو اور خوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہو گی۔ (ترمذی)۔ سب سے پہلے انسانوں کو آزاد کرنے والے مذہبِ اسلام نے عورتوں کو ایک مستقل حیثیت عطا کی اور اللہ کے رسول نے فرمایا جس طرح مردوں کے

حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ نکاح کو آزادانہ معاہدہ قرار دیا۔ جو ہر قسم کی جائز شرائط پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ خاص نامساعد حالات پیدا ہو جانے پر مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے سے علیحدگی کا حق رکھتے ہیں۔ عورت اپنے سرمایہ اور جائداد کی بے شرکتِ شوہر مالک ہے۔ جہاں احادیث طیبہ میں عورتوں کے حقوق پر بہت سی احادیث طیبہ بشارت دے رہی ہیں وہیں عورتوں سے حسنِ سلوک وحقوق کی ادائیگی کے لئے اللہ رب العزت نے عورتوں سے اچھے برتاؤ کا حکم فرمایا۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔ (القرآن سورہ نساء، آیت ۱۹) ترجمہ: اور ان سے اچھا برتاؤ کرو پھر وہ اگر تمہیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز پسند نہ ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے۔ (کنزالایمان) تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اچھی طرح رہا کرو، پیار و محبت اور ملاپ سے بسر کرو۔ اس پر احسان کیا کرو۔ اگر تم ان سے محبت اور آپس کی الفت کو برا سمجھو گے تو تم ایسی چیز کو برا سمجھو گے جس میں خدا نے تمہارے لئے خیر کثیر اور ہزاروں طرح کے نفع (فائدے) بنائے ہیں یعنی صالح اولاد پیدا ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

نکاح دیندار سے کرو: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عورت سے نکاح اس کی دین داری، اس کے مال اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے کیا جاتا ہے لیکن تم دیندار (عورت) سے نکاح کو لازم پکڑلو تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اس باب میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن عمرو، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے احادیث آئی ہیں۔ (باب عورت سے نکاح کن باتوں کے سبب کیا جاتا ہے، جلد دوم، الترمذی، صحیح ابن ماجہ ۸۵۸۱، سنن الترمذی حدیث ۶۸۰۱) وضاحت: بخاری ومسلم کی روایت میں چار چیزوں کا ذکر ہے چوتھی چیز اس کا حسب ونسب اور خاندانی شرافت ہے۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ دیندار عورت ہی صحیح معنوں میں نیک چلن شوہر کی اطاعت گزار اور وفادار ہوتی ہے جس سے انسانی معاشرتی زندگی میں خوشگواری آتی ہے اور اس کی گود میں جو نسل پروان چڑھتی ہے وہ بھی صالح اور دیندار ہوتی ہے۔ اس کے برعکس تین طرح کی عورتیں عموماً انسان کے لئے زحمت اور اولاد کے لئے زحمت وبگاڑ کا باعث ہوتی ہے تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (یہاں بددعا مراد نہیں بلکہ شادی کے لئے جدوجہد وکوشش پر ابھارنا ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں سے حسن سلوک کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا اوپر والا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے۔ پس اگر اسے سیدھا کرنا چاہو تو توڑ دو گے اور اگر (اپنے حال پر چھوڑ دو تو ہمیشہ ٹیڑھا رہے گا) پس عورتوں سے اچھا سلوک کرو۔ (بخاری شریف، راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر ۴۸۱۵) بخاری ومسلم کی روایت میں ہے عورت پسلی کے مانند ہے اگر اسے سیدھا کرو گے تو توڑ دو گے اور اگر اس سے نفع اٹھانا چاہو گے تو اس کے ٹیڑھا پن کے باوجود نفع پاؤ گے۔ (بخاری شریف، راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حدیث ۱۳۳۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی مؤمن کسی ایماندار عورت سے بغض نہ رکھے اسے اس کی کوئی بات ناپسند ہو تو دوسری بات پسند ہو گی۔ (مسلم شریف، باب عورتوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ پیش آنا) انسانیت کا منشور جو آقا ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر دنیا کو دیا جس کی کئی اہم شقیں اقوامِ متحدہ (UNO) نے اپنے منشور میں شامل کی ہیں۔ حجتہ الوداع کے خطبہ میں آپ نے حمد وثنا کے بعد وعظ ونصیحت کی پھر آپ نے فرمایا: سنو! عورتوں سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ، بے شک وہ تمہاری قیدی ہیں تم ان سے جماع (Mutual Sex) کے سوا ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو سنو! بے شک تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں اور تم پر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں ان کے سبھی حقوق ادا کرو۔ ان پر تمہارا حق ہے کہ وہ تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو تمہارے بستر روندنے نہ دیں۔ (یعنی عزت وناموس کی حفاظت کریں) اور سنو! تمہارے ذمہ ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کے لئے اچھا لباس اور اچھا کھانا مہیا کرو۔ (بخاری ومسلم، حدیث نمبر ۳۲۰۵)

سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ آپ نے "تبتل" یعنی عورتوں سے الگ رہنے کی زندگی سے منع فرمایا۔ اگر نبی کریم ﷺ انہیں اجازت دیتے تو ہم تو خصی ہی ہو جاتے۔ (بخاری، باب مجرد رہنا اپنے کو نامرد بنا دینا منع ہے) راوی احمد بن یوسف ابراہیم بن سعد، ابن شہاب، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہم، حدیث نمبر ۳۷۰۵) عورتوں پر اسلام کے احسانات بے شمار ہیں۔ چھوٹے سے مقالے میں سمیٹنا ممکن نہیں۔ عورتوں کے ہر طرح کے حقوق کی پاسداری اسلام میں ہے۔ اسی لئے حکم ہے شوہر کو چاہئے کہ بیوی کے فطری جذبات واحساسات کا پاس ولحاظ رکھے اور زیادہ دنوں تک بیوی سے جدا نہ رہے۔ اور اگر جدا رہنے کی مجبوری ہے تو اسے چاہئے کہ بیوی کو ساتھ رکھے تا کہ حق زوجیت بھی ادا ہو اور دونوں پرسکون زندگی گزاریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اہلِ بیت کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوند کی شکایت لے کر آتی ہیں ایسے لوگ پسندیدہ نہیں ہیں۔ (ابوداؤد) عورتوں کو مار پیٹ کرنے سے لوگوں کو آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔ آجکل مردوں کے اندر عام مزاج بن گیا ہے۔ جہاں مزاج کے خلاف کچھ ہو لگے مارنے پیٹنے۔ اس حدیث پاک سے ایسے لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ عورت پر ظلم وستم کرنے سے گھریلو زندگی جہنم بن جاتی ہے فیملی لائف عذاب کی طرح گزرتی ہے۔ اس کا مداوا، اس کا حل صرف یہی ہے کہ اللہ کے رسول کے احکامات پر عمل پیرا ہوں۔ عورت کے ٹیڑھے پن کے باوجود ان سے فائدہ اٹھائیں یہ حسن سلوک سے پیش آنے پر ہی ممکن ہو گا۔ بہت سی احادیث وآیات کریمہ میں اس کی وضاحت ہے۔ عورت کے کئی روپ ہیں۔ بیٹی، بہن، بیوی، ماں کچھ دوسرے پہلو پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

عورتوں پر اسلام کے احسانات

بیٹی نعمتِ الٰہی: اللہ رب العزت کی تخلیق میں انسان کو بہت عزت ووقار حاصل ہے۔

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا فرمایا (قرآنی مفہوم) اور اس میں عورت کی پیدائش کا ذکر پہلے فرمایا۔ (القرآن سورہ شوریٰ، آیت ۴۹۔۵۰) ترجمہ: اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت۔ پیدا کرتا ہے جو چاہے جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کر دے۔ بے شک وہ علم و قدرت والا ہے۔ (کنزالایمان) اللہ نے پیدائش کے ذکر میں بیٹی کا ذکر پہلے فرمایا۔ اس سے بڑی عزت و عظمت اور کیا ہوگی۔ احادیث میں بھی فضیلتیں موجود ہیں۔ بیٹی جو آگے چل کر بہن اور ماں کا روپ دھارن (اختیار) کرتی ہے اور پھر ماں کی اہمیت اللہ کے نزدیک بہت ہے۔ ماں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وہ خوبصورت عطیہ ہے جس میں اللہ نے اپنی رحمت، فضل، کرم، رحیمی، برکت، راحت اور عظمت کی آمیزش شامل فرما کر عرش سے فرش پر اتارا اور اس کی عظمتوں کو چار چاند لگا دیا۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے۔ وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ (القرآن، سورہ نساء، آیت ۳۶) ترجمہ: اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو۔ (کنزالایمان) دوسری جگہ اس طرح حکم الٰہی ہے۔ (القرآن، سورہ بقرہ، آیت ۸۳) ترجمہ: اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ عہد بنی اسرائیل سے (اس بات کا) نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا۔ والدین کی عظمت کا ثبوت اس سے بڑا اور کیا ہو سکتا ہے کہ رب نے اپنے اسم جلالت کے ذکر کے ساتھ والدین کی خدمت کا حکم دیا۔ اور دوسری آیت میں ماں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ماں کی عظمت کا بھی اعلان فرمایا۔ (القرآن، سورہ احقاف، آیت ۱۵) ترجمہ: اور ہم نے آدمی کو حکم دیا کہ اپنے ماں باپ سے بھلائی کرے۔ اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنا (پیدا کیا) اس کو تکلیف سے اور اسے اٹھائے رکھا پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس (30) مہینے میں۔ (کنزالایمان) ماں باپ اگر کافر ہوں تب بھی ان کی خدمت اولاد پر لازم ہے کیونکہ والدین کا حکم مطلق ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حق الخدمت ماں کا زیادہ ہے کیونکہ ماں کی تکلیف کا بیان ہے اور یہ کہ ماں نے بچہ کو خون پلا کر (خون سے ہی دودھ بنتا ہے) پالا اور باپ نے محنت کر کے کمائی کی اور پرورش کی۔ ماں کی تکلیف کو وجہ بتایا گیا نیز ماں اگر خاوند سے اجرت لے کر بھی بچے کو پالے جب بھی ماں کا حق اولاد پر قائم رہے گا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرعون سے اجرت لے کر پالا اور پرورش فرمائی۔ (تفسیر نور العرفان، صفحہ ۳۰۸)

اللہ جل شانہٗ اور اس کے پیارے محبوب ﷺ نے بندوں کے حقوق کو واضح طور پر بیان فرمائے بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کی تاکید بھی فرمائی تاکہ خاندانی زندگی اور معاشرتی زندگی پرسکون گزرے۔ اگر مسلمان حقوق العباد کی ادائیگی کا پاس و احترام کریں تو صالح معاشرہ کے لئے آج تمام تنظیموں و جماعتوں کا رونا بند ہو جائے اور مقدمہ بازی اور عدالتوں کے چکر سے نجات میں رہے۔ عورتوں سے حسنِ سلوک اسلامی تعلیم کا حصہ ہے۔ نکاح و طلاق وراثت سب میں عورتوں کے حقوق واضح طور پر بیان کیا اور لاگو کیا گیا۔ خواہ بیٹی ہو، بہن ہو، ماں ہو یا بیوی آج اسلام دشمن و مسلمان بیزار میڈیا (Media) و جماعتیں واویلا مچا رہی ہیں، عورتوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ یہ اسلام و مسلمانوں کے خلاف شعوری طور پر سازش ہے اور کچھ نہیں۔ قرآن کریم میں رب تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد گرامی ہے۔ وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط ترجمہ: عورتوں کے حقوق مردوں پر اسی طرح ہیں جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اچھے سلوک کے ساتھ۔ حقوق انسانی میں تمام مرد و عورت کے مساوی حقوق، اخلاق اور احسان، عبادات میں مرد کے برابر ہیں۔ ہم تمام مسلمانوں کا یہ اسلامی فریضہ ہے کہ اپنی بیویوں کو عزت و وقار سے رکھیں ان کے حقوق کی ادائیگی میں رب تعالیٰ سے ڈریں اور حقوق پامال نہ کریں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو خاندان و اسلامی عائلی قوانین کی جاننے اور اس پر عمل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

شکست

(آصفہ بلال پاکستان)

انا کی بازی نہ کھیلنا تم
یہ کھیل بھی کیا عجب ہے لوگو
کہ جیت جس کو سمجھ رہے ہو
وہ درحقیقت شکست ہوگی
کہ داؤ پہ سب لگا کے اپنا
ہر ایک رشتہ گنوا کے اپنا
وہ چاہتوں کے نصاب سارے
وفا سے سینچے گلاب سارے
وہ لوریوں کے حساب سارے
کہ دوستی کے وہ باب سارے
یقیں کے رستوں پہ
چلتے چلتے
جو مل کے دیکھے
وہ خواب سارے
بس ایک لمحے میں
روند ڈالے
انا کی بھٹی میں
جھونک ڈالے
اور
اس خود پرستی کی زد میں آکر
ہر ایک رشتہ
جھلس گیا ہے
ہر ایک منظر
بدل گیا ہے
اور ایسے منظر میں
صرف تم ہو
انا کی مستی میں
آج گم ہو
پر ایک دن جب کھلی حقیقت
نگاہ اس دن یہ
پست ہوگی
کھو گے تم بھی
ہر اک بشر سے
انا کی بازی نہ کھیلنا تم
کہ جیت جس کو سمجھ رہے ہو
وہ درحقیقت
شکست ہوگی
وہ درحقیقت
شکست ہوگی

❁❁❁

ہمارا معاشرہ اور خواتین کے حقوق

تحریر: کنول ناز

خواتین انسانی معاشرے کا ایک لازمی اور قابل احترام کردار ہیں۔ جبکہ زمانہ جاہلیت میں جزیرۃالعرب میں عورت کے لئے کوئی قابل ذکر حقوق نہ تھے، عورت کی حیثیت کو ماننا تو در کنار اسکو معاشرے میں زندہ بھی رہنے کا حق تک نہ تھا اسلام نے جو عزت اور مقام عورت کو عطا کیا ہے اُس کی مثال نہ تو قومی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ ہی دنیا کی مذہبی تاریخ میں۔ اسلام نے صرف عورت کے حقوق ہی نہیں مقرر کئے بلکہ ان کو مردوں کے برابر درجہ دے کر مکمل انسانیت قرار دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت چاہے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ہر روپ میں قدرت کا قیمتی تحفہ ہے جس کے بغیر کائناتِ انسانی کی ہر شے پھیکی اور ماند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو اس کا محافظ اور سائبان بنایا ہے۔ عورت اپنی ذات میں ایک تناور درخت کی مانند ہے جو ہر قسم کے سرد و گرم حالات کا دلیری سے مقابلہ کرتی ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور کا تقاضہ ہے کہ ہر معاشرے کو صنفی امتیاز سے پاک کیا جائے۔ عورتوں کو اُن کا اصل مقام حاصل ہو اور انہیں اُن کے بنیادی انسانی حقوق میسر ہوں۔ ساتھ ہی خواتین اور مردوں میں یہ شعور بھی بیدار ہو کہ دنیا میں تمام انسان قابل احترام ہیں اور ان کے حقوق یکساں ہیں۔ تعلیم، صحت اور مناسب روزگار ہر انسان کا حق ہے اور اُسے ملنا چاہیے۔

خواتین جو کہ انسانی آبادی کا نصف حصہ ہیں، انہیں ہمارے معاشرے میں عام طور پر صنف نازک کہا اور سمجھا جاتا ہے. اور یہ تصور کیا جاتا ہے کہ خواتین کا کام صرف گھر کا کام کاج کرنا، کھانا پکانا، بچے پیدا کرنا اور چار دیواری میں رہنا ہے. معاشی معاملات اور معاشرتی زندگی کے باقی تمام پہلوؤں سے ان کا کوئی سروکار نہیں ہے، جب ہم مغربی معاشروں میں خواتین کی صورتحال پر نظر ڈالتے ہیں تو مغرب میں بھی ہمیں کئی طرح کے مسائل نظر آتے ہیں۔ تاہم ان کی نوعیت اور ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے اگر پاکستان میں دیکھا جائے تو حالات انتہائی ابتر ہیں، گھریلو حالات، غربت، افلاس، تنگدستی، محرومی، لاعلاجی اور مہنگائی کے ہاتھوں تنگ اور مجبور عورت جب روزگار کی تلاش میں باہر نکلتی ہے تو وہاں بھی اسے جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ صرف پاکستان نہیں ہے بلکہ پوری دنیا میں پایا جانے والا ایک مسئلہ ہے لیکن ہمارے ہاں اس کا سارا ملبہ خواتین پر گرتا ہے۔ اگر خواتین کو ملازمت مل جائے تو سماج میں موجود مردوں کی حاکمیت کے باعث انہیں ہر وقت جنسی تفریق کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ افسوس کی بات ہے لیکن اب بھی دفاتر میں کام کرنے والے بہت سے لوگ بھی یہی سوچ رکھتے ہیں کہ خواتین کو کام کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور اکثر اوقات وہ صنفی تعصب پر مبنی ایسے جملے کہہ جاتے ہیں جو ان کی اسی سوچ کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایسے تبصرے نہ صرف تکلیف دہ ہوتے ہیں، بلکہ یہ ان کے کام پر بھی منفی اثر ڈالتے ہی ہیں اور بعض اوقات وہ دل برداشتہ ہو کر نوکری بھی چھوڑ دیتی ہیں۔ خواتین کے گھر سے نکل کر نوکری کرنے کی مخالفت کی جاتی ہے، جبکہ وہی خواتین روزمرہ کے گھریلو کام کاج میں مصروف رہیں تو خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے، عورتوں کے ساتھ جنسی زیادتی اور گینگ ریپ جیسے واقعات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور پہلے اِکا دُکا نظر آنیوالے یہ واقعات اب روز کا معمول بنتے جا رہے ہیں، اس درندگی سے معصوم بچیاں بھی محفوظ نہیں ہیں. آج کے جدید دور میں بھی خواتین غیرت کے نام پر قتل کی جا رہی ہیں۔

پاکستان کے بہت سے علاقوں میں آج بھی عورتوں میں بنیادی تعلیم کا فقدان ہے ان کی صحت اور معاشرتی تربیت کا کوئی باقاعدہ بندوبست موجود نہیں۔

آج بھی کاروکاری، وٹہ سٹہ، ونی اور ستی جیسے جاہلانہ رواج عروج پر ہیں، اور کہیں انہیں کسی مرد کی غلامی میں دے دیا جاتا ہے، وہ بھی عقد کے نام پر آج بھی عورت کو حقیر اور کم تر سمجھا جاتا ہے، راہ چلتے عورتوں پر آوازیں کسنا، مذاق اڑانا، سوشل میڈیا پر ان کی تصاویر جاری کرنا، انہیں بلیک میل کرنا اور غیر اخلاقی الفاظ کا استعمال کرنا، روز کا معمول بن چکا ہے، آپ کبھی غور کریں تو ہمارے معاشرے میں غلیظ ترین گالیوں میں بھی صرف عورت کے نام اور رشتوں کا استعمال کیا جاتا ہے، کہیں تیزاب پھینک کر عورتوں کی شکلیں بگاڑ کر انہیں عمر بھر کیلئے بے سہارا چھوڑ دیا جاتا ہے، اس دور میں بھی دور جہالت کے پیروکار موجود ہیں، کسی کی بہن کی اگر آبرو ریزی ہو جائے تو بھائی اسے غیرت کے نام پر قتل کر دیتا ہے، بجائے یہ کہ اپنی بہن کے ساتھ ہونیوالی زیادتی پر مجرم کو قانون کے دائرے میں لائے، وہ اپنی ہی بہن کو قتل کر دیتا ہے، کہیں کوئی شخص کسی کی بہن کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو جواب میں اس مجرم کی بہن سے زیادتی کرنے اور کہیں تو اجتماعی زیادتی کرنے کا جاہلانہ فیصلہ دے دیا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے مشرقی، روایتی اور مردوں کی اجارہ داری والے معاشروں میں اس جدید دور میں بھی چند بنیادی مسائل ایسے ہیں جن کا حل جلد سے جلد تلاش کر لیا جانا چاہیے.

آج کل این جی اوز خواتین کے حقوق اور حقوقِ نسواں کے نام پر ہر دوسرے دن بڑے بڑے ہوٹلز میں سیمینار اور ورک شاپ کے نام پر فنڈز ریزنگ کر کے اپنے اپنے اکاؤنٹ بھر رہے ہیں اور غریب اور ظلم سے پسی خواتین کو اپنے مقاصد اور شہرت کمانے کا ذریعہ ہیں کوئی این جی اوز صحیح معنوں میں خواتین کے حقوق کے لئے کام نہیں کر رہے کہ جن سے باقاعدہ ہمارے معاشرے میں کوئی سدھار آئے۔ لفاظیوں، ریلیوں اور سیمیناروں سے کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، معاشرے میں خواتین کو مقام کی اہمیت کو کھلے دل، کھلے ذہن سے تسلیم کرنا ہوگا، ان ہاتھوں کو روکنا ہوگا جو خواتین پر تشدد کرتے ہیں، ان جاہلانہ رسم و رواج کیخلاف اٹھ کھڑا ہونا ہوگا جس سے نہ صرف ہمارا ملک بلکہ اسلام بھی بدنام ہو رہا ہے، حکومت کو سنجیدگی سے قانون بنانے ہوں گے اور خواتین کو تحفظ دینا ہوگا۔

تاریخ کی 'پہلی خاتون ڈاکٹر'

تحریر: مشیل رابرٹس

الزبتھ بلیک ویل

جن کے میڈیکل کالج میں داخلے کے خلاف مردوں نے متفقہ ووٹ دیا

آپ شاید الزبتھ بلیک ویل کے نام سے واقف ہوں، عام طور پر انھیں 'پہلی خاتون ڈاکٹر' کہا جاتا ہے۔ 19 ویں صدی کے اوائل میں برسٹل میں پیدا ہونے والی الزبتھ امریکہ سے میڈیکل کی باقاعدہ ڈگری حاصل کرنے والی پہلی خاتون ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بچپن میں آپ کے پاس ان کے بارے میں کوئی تصویری کتاب بھی ہو جو کہ متاثر کن لڑکیوں کے بارے میں ہوتی ہیں۔ یا ہوسکتا ہے کہ آپ نے ان کے بارے میں کبھی سُنا ہی ہو۔

الزبتھ کے آٹھ دیگر بہن بھائی تھے اور یہ نو کے نو بلیک ویل خاندان کے چشم و چراغ تضادات کا ایک مجموعہ تھے۔

ان کے والد سیموئیل ایک ڈائسینٹر تھے یعنی وہ چرچ آف انگلینڈ سے اختلاف رکھنے والے نان کنفارمسٹ تھے۔ تضادات میں ان کا بھی کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کی اپنی شوگر ریفائنری بھی تھی اور وہ غلام رکھنے کے بھی خلاف تھے یعنی ایک طرف وہ غلاموں کی محنت سے منافع کمارہے تھے اور دوسری طرف انھیں غلام رکھنے سے نفرت تھی۔

انھوں نے اپنی پانچ بیٹیوں کو بھی اتنے ہی تعلیمی مواقع فراہم کیے جتنے انھوں نے اپنے چار بیٹوں کو کیے تھے اور اس کے بعد سنہ 1832 میں وہ اپنے بچوں سمیت برسٹل سے نیویارک منتقل ہوگئے۔ اُن کو امید تھی کہ وہ کیریبیائی گنے کی چینی کو شمال میں اگنے والے گنے کی چینی سے بدلنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ لیکن پھر ان کا انتقال ہوگیا اور جب انھوں نے دنیا چھوڑی تو وہ بالکل کنگلے ہوچکے تھے۔ ان کا آخری سبق تھا کہ شوہر کا ہونا تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اور شاید اسی لیے ان کی کسی بھی بیٹی نے کبھی بھی شادی نہیں کی۔

الزبتھ بلیکویل کون تھیں؟ بلیک ویل ایک روشن خیال اور معاشرتی طور پر ذرا مختلف خاتون تھیں جنھیں اپنے قابل ہونے کا بہت احساس تھا۔

وہ ماورائی مصنف (ٹرانسینڈلسٹ رائٹر) اور ایڈیٹر مارگریٹ فلر کی ہم خیال تھیں جنھوں نے اعلان کیا تھا کہ انسانیت اس وقت تک روشن خیالی حاصل نہیں کرسکتی جب تک کہ خواتین اس بات کو ثابت نہیں کرتیں کہ وہ سب کچھ کرسکتی ہیں جو وہ چاہتی ہیں اور یہ کامیابی جنسی صلاحیت کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ قابلیت اور محنت سے آتی ہے۔

الزبتھ ایسی شخصیت بننا چاہتی تھیں جن کی زندگی فلر کے خیال کے عین مطابق ہو۔

انھوں نے طب کی تعلیم کا انتخاب اس لیے نہیں کیا تھا کہ انھیں سائنس سے پیار تھا یا وہ دوسروں کو اچھا کر کے راحت محسوس کرتی تھیں (حقیقت میں تو وہ سمجھتی تھی کہ بیماری کمزوری کی علامت ہے) بلکہ ان کے لیے اپنی بات ثابت کرنے کا یہ ایک غیر معمولی طریقہ تھا۔ اگر کوئی خاتون میڈیکل سکول کے لیکچر ہال میں بیٹھے اور ڈپلوما لینے کے لیے درکار تمام امتحانات پاس کرنے میں کامیاب ہوجائے تو کون ہے جو یہ بحث کرسکتا ہے کہ وہ ڈاکٹر نہیں ہے؟

کئی مرتبہ رد کیے جانے کے بعد بلیک ویل مغربی نیویارک ریاست کے ایک چھوٹے سے دیہی جنیوا میڈیکل کالج میں داخلہ لینے میں کامیاب ہوگئیں۔ داخلے کے لیے کالج میں ان کی منظوری بھی ایک مسئلہ بنی۔ فیکلٹی نے طالب علموں میں کسی خاتون کو شامل کرنے کے خیال کی مخالفت کی اور اسے مضحکہ خیز سمجھتے ہوئے اس کے خلاف متفقہ طور پر ووٹ دیا۔

سنہ 1849 میں انھوں نے کلاس میں اول پوزیشن حاصل کر کے گریجویشن کی اور اپنی قابلیت اور نظم وضبط کی وجہ سے اپنے ہم جماعتوں سے غیر متزلزل احترام حاصل کیا۔

کالج سے باہر لوگ دو چیزیں سوچنے لگے کہ یا تو وہ بہت چالاک تھیں یا پھر پاگل یا خبطی۔ کون سی عورت ہوگی جو مردوں میں رہتے ہوئے جسم کے متعلق پڑھنا چاہے گی۔ اپنے پروفیشنل راستے کی تنہائی سے اچھی طرح باخبر بلیک ویل نے بعد میں اپنے سے پانچ سال چھوٹی بہن ایملی کو بھی طب کی طرف ہی راغب کیا۔

'الزبتھ بلیکویل: ایک خاتون فزیشن'

میڈیکل سکول میں طالب علموں کو اصل مریضوں کے متعلق کچھ زیادہ پتہ نہیں ہوتا تھا اور وہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طالب علموں میں ان کے متعلق حد درجہ لاعلمی کا عنصر پایہ جاتا تھا۔

بلیک ویل فارغ التحصیل ہونے کے تین ماہ بعد اپریل 1849 میں یورپ کے لیے روانہ ہو گئیں تاکہ پیرس میں طب کی عملی تربیت حاصل کرسکیں۔ وہاں انھوں نے زچگی کے ایک سرکاری ہسپتال میں تعلیم حاصل کی اور اسی دوران ایک مریض سے انفیکشن لگنے کے بعد ان کی ایک آنکھ بھی ضائع ہوگئی۔ اس کے بعد وہ لندن چلی گئیں جہاں انھوں نے سینٹ بارتھولومیوز ہسپتال میں کام کیا اور یہیں ان کی دوستی نوجوان فلورنس نائیٹنگیل سے ہوئی جنھوں نے بعد میں بہت نام پیدا کیا۔

سنہ 1851 میں نیویارک واپس آنے کے بعد انھیں لگا کہ 'فیمیل فزیشن' کے فقرے نے انھیں مریضوں سے دور کر رکھا ہے۔ اس دور میں تاثر یہ تھا کہ ایک خاتون معالج صرف اسقاط حمل کرنے والی کوئی خاتون ہوتی تھی جو چھپ کے غیر قانونی کام کرتی تھی۔ اور جیسے پھلتے پھولتے کاروبار کی انھوں نے امید کی تھی ویسا نہیں ہوا۔

لیکن کچھ ہی عرصے بعد ایملی بھی اپنی میڈیکل ڈگری کے ساتھ ان کے ساتھ شامل ہو گئیں اور پھر سنہ 1857 میں دونوں بہنوں نے مل کر نیویارک 'انفرمری فار انڈیجینٹ ومن اینڈ چلڈرن' قائم کی۔ غریب خواتین اپنے ڈاکٹر کی جنس کے بارے میں زیادہ پریشان نہیں ہوتی تھیں اور انفرمری بھی ان خواتین میڈیکل گریجویٹس کو جگہ دینے لگی جن کی تعداد آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی اور جو اپنی تربیت ختم کرنا چاہتی تھیں۔ یہ پہلا ہسپتال تھا جس کا پورا عملہ خواتین پر مشتمل تھا۔ سنہ 1861 میں امریکی خانہ جنگی کے فوراً بعد بلیک

ویل بہنوں نے اپنے ڈونرز اور حمایتیوں کا ایک اجلاس بلایا اور نیویارک کی خواتین سے اپیل کی۔ اس کے جواب میں ہزاروں خواتین نے ومنز سینٹرل ایسوسی ایشن آف ریلیف کے پہلے تنظیمی اجلاس میں شرکت کی، جو بعد میں یونائیٹڈ سٹیٹس سینیٹری کمیشن بنا اور جو جنگ کے بعد کی سب سے بڑے شہری تنظیم تھی۔

بلیک ویلز نے محاذ پر بھیجنے کے لیے نرسوں کا انتخاب کیا اور ان کی تربیت کی نگرانی کی۔ لیکن آخر کار جب یہ بات واضح ہو گئی کہ مرد ڈاکٹر مساوی شرائط کی بنیاد پر ان کی شراکت کو تسلیم نہیں کر رہے تو وہ ان کوششوں سے دستبردار ہو گئیں۔ انھوں نے اپنی توجہ اپنی اگلی کامیابی کی طرف موڑ دی، جو کہ 1869 میں ویمن میڈیکل کالج آف دی نیویارک انفرمری کا افتتاح تھا۔ ایک بار جب انفرمری اور کالج مضبوط بنیادوں پر کھڑا ہو گیا تو الزبتھ نے اسے ایملی کے حوالے کیا اور واپس انگلینڈ چلی گئیں جسے وہ ہمیشہ اپنا گھر سمجھتی تھیں، اور جہاں برٹنز میڈیکل رجسٹر میں شامل ہونے والی وہ پہلی خاتون تھیں۔

الزبتھ گیریٹ اینڈرسن اور صوفیہ جیکس بلیک سمیت معروف خواتین ڈاکٹروں کی حوصلہ افزائی کرنے کے بعد انھوں نے پریکٹس سے ہٹ کے صحت عامہ کے متعلق ایڈوکیسی اور متعدی بیماریوں کے قانون کے خلاف مہم چلانا شروع کر دی، جس کے تحت جسم فروش خواتین کو زبردستی ہسپتالوں میں داخل کرایا جاتا تھا۔ وہ نیشنل ہیلتھ سوسائٹی کی بانی بن گئیں جس کا نعرہ تھا 'پرہیز علاج سے بہتر ہے۔' انھیں یقین تھا کہ ایک خاتون ڈاکٹر کو سائنس سے لیس ایک استاد کی طرح ہونا چاہیے۔ انھوں نے اپنی زندگی کی آخری دہائیوں کو ہیسٹنگز میں سمندر کے کنارے ایک کاٹیج میں میں اپنی گود لی ہوئی بیٹی 'کٹی' کے ساتھ گزارا۔

الزبتھ مشہور کیوں ہیں؟

بلیک ویل کی کہانی کو ویرانے میں راہ دکھانے والی عورتوں کی کہانی کے طور پر دیکھنے کو جی چاہتا ہے، لیکن حقیقت اس سے بہت زیادہ پیچیدہ ہے۔ الزبتھ بلیک ویل خواتین کے حقوق کی ابھرتی ہوئی تحریک کو ناپسندیدگی سے دیکھتی تھیں۔ وہ سمجھتی تھیں کہ اس وقت تک خواتین کو ووٹ دینے کا حق بے وقوفی ہے جب تک وہ اپنی نظریاتی آزادی کو مردوں کے حوالے نہیں کر دیتیں۔ وہ فلورنس نائیٹنگیل کے اس خیال سے متفق نہیں تھیں کہ صحت میں خواتین کا حقیقی کردار نرسوں کا تھا اور وہ اپنی ڈاکٹر بہن ایملی سے بھی خاتون ڈاکٹروں کے مناسب کردار کے بارے میں متفق نہیں تھیں۔ الزبتھ اپنے مشن کو زیادہ عوامی صحت کے حوالے سے دیکھتی تھیں، جبکہ ایملی کسی بھی مرد کے برابر اپنے آپ کو ایک فزیشن، سرجن اور میڈیکل پروفیسر کی طرح دیکھنے کی کوشش کرتی تھیں۔

لیکن الزبتھ کی یہ خواہش نہیں تھی کہ وہ اس طرح نظر آئیں کہ لوگ ان کا احترام کریں یا ان سے مل کر خوش ہوں۔ وہ ایک پیچیدہ، چڑچڑی، نامکمل، بہت حقیقی قسم کی ہیروئن تھیں اور ان کی خامیاں ان کی دنیا کو بدلنے والی کامیابیوں سے جدا نہیں کی جا سکتیں۔

❁❁❁

سائنس کی دنیا پچاس برسوں میں خواتین کیلئے کیسے بدلی؟

تحریر: ہیلن برگز

انسان کے چاند پر قدم رکھنے کے لیے کام کرنے والی ایک خاتون انجینیئر نے رواں ہفتے بتایا کہ کیسے کنٹرول روم سے انھیں بتایا گیا تھا کہ عورتوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ گذشتہ نصف صدی میں چیزیں بہت حد تک بدل گئی ہیں لیکن اتنی تیزی سے نہیں بدلیں جس کی امید کی جا رہی تھی۔ بی بی سی نیوز نے پانچ ایسی سائنسدانوں سے بات کی جنھوں نے مختلف ادوار میں کام کیا اور اپنے شعبوں میں حائل رکاوٹوں کو عبور کیا۔

پروفیسر جوسیلن بیل برنیل: پروفیسر جوسیلن بیل برنیلپ چاس سال قبل پہلے مقناطیسی نیوٹران کی دریافت کے لیے مشہور ہیں۔ وہ زندگی بھر خواتین کی سائنس کے شعبے میں رہنمائی بھی کرتی رہی ہیں۔ شمالی آئرلینڈ میں انیس سو پچاس کی دہائی میں جب تک انھوں نے والدین سے اس پر احتجاج نہیں کیا، انھیں دوسری لڑکیوں کی طرح سائنس کی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس دور کو یاد کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ 'لڑکوں کو سائنس کی لیبارٹری میں بھجوایا جاتا تھا اور لڑکیوں کو گھریلو سائنسی کمرے میں، کیونکہ ہر کوئی جانتا تھا کہ لڑکیاں صرف شادی کریں گی اور انھیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ بستر کیسے تیار کرنے ہیں۔' اس وقت وہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں فلکی طبعیات کے شعبے سے منسلک ہیں۔ وہ خواتین سائنس دانوں کے اس گروپ سے تعلق رکھتی ہیں جس نے دیگر خواتین کے سائنس میں آگے بڑھنے میں مدد اور رہنمائی کی۔ ایتھنا سوان سکیم میں یونیورسٹیوں اور کالجوں میں صنفی مساوات پر ہی بات کی جاتی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ 'یہ عمل آہستگی سے شروع ہوا اور جب تک کچھ امدادی اداروں نے اس رجحان کا نوٹس لیا، اس سوچ نے لوگوں کے ذہنوں پر غلط اثرات مرتب کیے۔' ان کا کہنا ہے کہ سائنس میں صنفی تقسیم خواتین کی دماغی صلاحیت کے بجائے ثقافتی سطح پر ہے۔ اور بہت سے ممالک میں اس سے بھی بالا ہے۔ جنوبی یورپ کے ممالک مثلاً فرانس، اٹلی اور سپین فلکی طبعیات میں شمالی یورپ کے ملکوں، جرمنی اور ہالینڈ سے بہت آگے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان تمام ممالک میں خواتین کا تناسب بڑھ رہا ہے لیکن ہر ملک میں ایسا مختلف انداز میں ہو رہا ہے۔

ان کے مطابق ترقی کا عمل سست ہے اور چیزیں آہستہ آہستہ بدل رہی ہیں۔ سائنس کے میدان میں موجود خواتین کو اپنے پیغام میں انھوں نے کہا کہ 'ڈریں نہیں، محنت کریں اور وہاں ہمت کریں۔'

ڈاکٹر نکولا بیئر: ریسرچ میں رہبر: نکولا بیئر کی اوائل عمری میں ہی سائنس میں دلچسپی ہو گئی تھی۔ ان کی یاداشت میں اپنے استاد کی جانب آواز کی لہروں کے بارے میں دکھایا جانے والا عملی مظاہرہ اب بھی محفوظ ہے، جس میں انھوں نے کاغذ سے بنی پلیٹ کو چاولوں سے بھرا تھا۔ وہ اپنے خاندان کی پہلی لڑکی تھیں جو یونیورسٹی گئیں۔ ریسرچ ٹیم کی سربراہی سے پہلے انھوں نے برسٹل یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، پھر آکسفورڈ سے پی ایچ ڈی کی اور ایم آئی ٹی اور ہارورڈ سے فُل برائٹ سکالرشپ حاصل کیا۔ نورڈک ریسرچ سینٹر آکسفورڈ میں ڈیپارٹمنٹ فارڈ سکوری بائیولوجی اینڈ فارمیسی کی سینئر سربراہ کی حیثیت سے وہ سائنس دان ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر شعبوں کی سربراہ بھی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ 'اس میں سٹریٹیجک فیصلے لیے جاتے ہیں لوگوں کے خیالات کو بہتر کرنے میں مدد کی جاتی ہے اور انھیں ان کے کریئر میں مدد کی جاتی ہیں۔' نکولا بیئر کے بقول 'قائدانہ کردار میں خواتین کی تعداد کم ہے اور خواتین کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں، رہبر کے طور پر، انھیں علم دیں اور ان کے لیے راستے کھولنے میں فیاضی کا مظاہرہ کریں۔' ان کا کہنا ہے کہ 'میرے خیال سے یہ ہمیں ہر سطح پر کرنا چاہیے، چاہے خواتین ہوں یا نوجوان یا اپنے کریئر کی دوسری سطح پر موجود لوگ۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم راستہ نکالیں، بجائے اس کے کہ ہماری پوزیشن کس چیز سے مضبوط ہو گی۔' ایک خاتون رہنما کی حیثیت سے انھوں نے اس بات کو نوٹ کیا کہ لوگ اکثر خواتین کے لیے ایک یکساں انداز اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ کسی خاص صورتحال میں وہ پر اعتماد ہوں اور ایک مخصوص انداز میں ردعمل ظاہر کریں۔`

'میرا خیال ہے کہ ہمیں خواتین کو اچھا لیڈر بننے کے لیے ترغیب دینے میں اجتماعی کوشش کی ضرورت ہے، بجائے اس کے کہ ہم دقیانوسی انداز پر چلیں۔ اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں پہلے سے یہ طے کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے کہ ہم کیا کر سکتی ہیں اور کیا نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ 'میں خواتین کی ترقی میں گلاس سیلنگ یا شیشے کی چھتوں کو اور دیواروں کو توڑنے کے لیے پرجوش ہوں۔ میں واقعی سوچتی ہوں کہ ہمیں بند راستوں کو کھولنے کی ضرورت ہے جو ہمارے اور عصبیت پسندی کے درمیان حائل ہیں۔'

موجد: گلیڈیز نیٹیچ: گلیڈیز کو جب ایک بار میٹنگ کے دوران کہا گیا کہ آپ انجینئیر تو نہیں لگتی تو گھر جا کر بھی وہ اس بات پر حیران ہی رہیں کہ انجینئیر کو کیسا لگنا چاہیے۔ وہ مکینیکل انجینئرنگ پڑھ رہی تھیں اور وہ دقیانوسی خیالات کے خلاف لڑتی تھیں۔ وہ کینیا میں مکینیکل انجینئرنگ کی کلاس میں 80 سٹوڈنٹس میں موجود صرف آٹھ خواتین میں شامل تھیں۔ اپنے پہلے سال کے بارے میں انھوں نے بتایا کہ بہت سے لڑکے سمجھتے تھے کہ وہ یہ نہیں کر پائیں گی لیکن انھوں نے فرسٹ کلاس میں ڈگری حاصل کی۔ وہ اس وقت آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایئروسپیس میں پی ایچ ڈی کر رہی ہیں۔ انھوں نے حال ہی میں شمٹ سائنس فیلوشپ میں کامیابی حاصل کی ہے وہ خلائی سائنس و ٹیکنالوجی پر تحقیق کر رہی ہیں۔ وہ نئی نسل کے انجینئیرز کی مدد کرنا چاہتی ہیں اور وہ پروفیسر بیل برنل جیسی خواتین سے متاثر ہیں۔ 'مجھے یہ بات آگے بڑھاتی ہے کہ کسی کو نیا راستہ بنانا ہے۔ کسی کو چلنا شروع کرنا ہو گا تا کہ کسی دوسرے کے لیے راہ بنے۔' وہ کہتی ہیں 'مجھے امید ہے کہ آگے آنے والی خواتین کے لیے امتحان ہوں گے، لیکن انھیں خود کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔

رکاوٹوں کو ہٹایا: ڈاکٹر میگن ویلر: آپ دنیا کو درپیش بڑے چیلینجز کا مقابلہ کیسے کرتے ہیں؟ سائنس کے پاس اس کے حل ہیں لیکن وہ تب ملتے ہیں جب آپ مسائل کو مختلف زاویوں سے دیکھیں۔ یہ ڈاکٹر میگن کا نظریہ ہے۔ وہ ایک فیلو پروگرام میں ایگزیکٹیو ڈائریکٹر ہیں۔ ان کا مشن مستقبل کے سائنسی لیڈروں کی تربیت کرنا ہے۔ انھوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے نیوروسائنس میں ڈاکٹریٹ کی اور کلینیکل سائیکالوجی میں امریکہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر ویلر کہتی ہیں کہ 'میرے خیال میں ایسے سائنس دان کم ہیں جو کہ وسیع تجربہ رکھتے ہوں، سوائے ان کے جو ان رکاوٹوں سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔' ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایک سائنس دان کے طور پر آج خواتین میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ لیبارٹری سے باہر قدم نکال سکیں اور بات چیت کر سکیں۔ 'اس کے لیے وسیع مہارت کی ضرورت ہے۔ لوگوں اور رفنڈ مہیا کرنے والے اداروں سے اور پالیسی سازوں سے رابطے بنانے کے لیے مہارت کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ دیگر شعبہ جات کے سائنس دانوں سے بھی تا کہ ان مسائل کا حل بھی تلاش کیا جا سکے جو آپ اکیلے حل نہیں کر سکتے۔'

ابھرتا ہوا ستارہ: ایلینا اینو جوہانہ پورسٹی: ایلینا ایک ڈاکٹر اور طبعیات کے ایک استاد کی بیٹی ہیں۔ وہ فن لینڈ کے ایک گھرانے میں پلی بڑھیں جہاں سائنس پر بات کرنا عام تھا۔ جب بھی بجلی کڑکتی، ان کے والد انھیں اس کی سائنسی وجوہات سے آگاہ کرتے جبکہ ان کی والدہ انسانی جسم کے بارے میں انھیں بتاتی تھیں۔ ایک بچے کی حیثیت سے ان میں اپنا کام کرنے کا جذبہ تھا جو کہ ساحل سمندر پر ان کی بنائی دوائیوں کی دکان سے نظر آیا۔ سکول میں انھوں نے حیاتیات کا ایک کورس کیا جس میں جنیاتی تبدیلیوں کے بارے میں پڑھا، اور یہی ان کے مستقبل کا کریئر بھی بنا۔ وہ کہتی ہیں کہ 'یہ بہت شاندار تجربہ تھا کہ آپ ڈی این اے کو نکال کر لیبارٹری میں کام کر سکتے ہیں اور میں نے سوچا یہ بہت زبردست شعبہ ہے۔' ان کا کہنا ہے کہ 'میرے لیے سائنس بہت مسحور کن ہے اور میں ہمیشہ چیزوں کو سمجھنا پسند کرتی ہوں۔' اب ایلینا نوو نارڈسک ریسرچ سینٹر میں ایجادات اور علاج کے لیے نئے طریقوں پر کام کر رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ فن لینڈ میں سکول میں ہر ایک سے برابری کی سطح پر برتاؤ ہوتا تھا اور یہ خواتین کی سائنس میں نمائندگی کے لیے، بہت ضروری ہے۔ 'سائنس میں خواتین کی پوزیشن کو بڑھانے کے لیے میرے خیال سے ہمیں جلد کام شروع کرنا چاہیے۔'

❁❁❁

گالوں میں پڑنے والا گڑھا اور چاہِ غبغب کی کہانی

تحریر: اے کے بٹ

وہ ہنستی ہو تو شاید تم نہ رہ پاتے ہو حالوں میں
گڑھا ننھا سا پڑ جاتا ہو شاید اس کے گالوں میں

یہ پرشوخ شعر صاحب طرز شاعر جنابِ جون ایلیا کا ہے۔ گالوں میں پڑا گڑھا فارسی میں 'چاہ غب غب' کہلاتا ہے۔ اگر یہی گڑھا ٹھوڑی میں ہو تو 'چاہِ ذقن' بن جاتا ہے۔ لفظ 'گڑھا' کی ایک صورت 'کھڈا' اور دوسری 'کھڈ' ہے، پھر اسی 'کھڈ' سے لفظ 'کھڈّی' ہے، جو رومن الفاظ (alphabet) میں لکھے جانے پر کھاڈی (khaadi) ہو گیا ہے۔ آپ پوچھ سکتے ہیں کہ 'کھڈ' سے 'کھڈّی' کا کیا تعلق ہے کہ 'کھڈّی' پر تو کپڑا بنا جاتا ہے؟ عرض ہے کہ جدید مشینوں سے پہلے کپڑا لکڑی کی سادہ سی کَل (مشین) پر بنا جاتا تھا۔ اس سادہ کَل کے پاس ایک 'کھڈ' ہوتا تھا جس میں جولاہا پاؤں لٹکا کر بیٹھتا اور کپڑا بنتا تھا۔ یوں اس 'کھڈ' کی نسبت سے اس سادہ کَل کو 'کھَڈی' کہا گیا پھر کپڑا بننا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہو گیا۔ کپڑا بننے کا یہ 'گڑھا' فارسی میں 'کارگاہ' ہے، جس کی تخفیف کار گہ اور کرگہ ہے جب کہ 'کارگاہ' کی بگڑی صورت 'کرگھا اور کرگا' ہے۔ 'کرگھا' کو درج ذیل کہاوت میں دیکھ سکتے ہیں جو اس وقت کہی جاتی جب کوئی اپنا کام چھوڑ چھاڑ فضول باتوں میں جی لگاتا ہو:

'کرگھا چھوٹ تماشے کو جائے، ناحق چوٹ جولاہا کھائے'

چوں کہ کارگاہ 'کام کی جگہ' ہے اس رعایت سے کارخانے سمیت کام کی ہر جگہ 'کارگاہ' کے معنی میں داخل ہے، جب کہ دنیا کو مجازاً 'کارگاہِ حیات، کارگاہِ عالم اور 'کارگاہِ فلک' کہا جاتا ہے۔ اب 'کارگاہ' کی رعایت سے ناصر کاظمی کا شعر ملاحظہ کریں

ہم سے روشن ہے کارگاہِ سخن   نفسِ گل ہے مشکبو ہم سے

ہندوستان میں طبقاتی نظام کے زیرِ اثر مختلف پیشے پیشہ وروں کی ذات بن گئے اور یوں سماج میں ان کا رتبہ ان کے پیشے کے مطابق طے کیا۔ نتیجتاً چمار، کمہار، پنہار اور گھسیار سمیت بہت سے چھوٹے موٹے کام کرنے والے 'نیچ ذات' میں شمار کیے گئے۔

مسلم ہندوستان میں جہاں دیگر شعبوں میں اصلاحات ہوئیں وہیں معاشرے کے ان کارآمد طبقات کی دلجوئی کے لیے انہیں خوبصورت ناموں سے پکارا گیا۔ یوں کہتر (کمتر) نے مہتر (سردار) ہلال خور (خاکروب/جمعدار) نے حلال خور اور پنہار، (سقّہ/ماشکی) نے بہشتی (جنتی) نام پایا جب کہ جولاہا پہلے پارچہ باف پھر نوربااف اس کے بعد مومن اور آخر میں انصاری کہلایا۔ حفیظ میرٹھی سچ کہہ گئے ہیں:

اس سے ذہنوں کی بلندی کا پتا چلتا ہے   نام ذرّوں کے تم اپنے مہ و اختر رکھنا

کپڑے کی بنت میں لمبائی اور چوڑائی میں ڈالا جانے والا دھاگا 'تانابانا' کہلاتا ہے۔ اس میں لمبائی والا دھاگا 'تانا' جب کہ چوڑائی والا 'بانا' ہوتا ہے۔ یہ 'تانابانا' فارسی میں 'تار و پود' کہلاتا ہے۔ اردو میں اس 'تانابانا' کی رعایت سے کئی بمعنی محاورے اور کہاوتیں رائج ہیں مثلاً پرانی باتیں دہرانا یا راز کھول دینا 'تانابانا ادھیڑنا' ہے تو نظام کا بگڑ جانا 'تانابانا ٹوٹنا'۔ ایسے ہی لاحاصل کام اور بے فائدہ مشقت کو 'تانابانا سوت پرانا' کہتے ہیں جب کہ آوارہ گردی 'تانابانا کرتے پھرنا' کہلاتی ہے۔ اب 'تانابانا' کی رعایت سے ابن انشا کا خوبصورت شعر ملاحظہ کریں:

یا چھوڑیں یا تکمیل کریں یہ عشق ہے یا افسانہ ہے
یہ کیسا گورکھ دھندا ہے یہ کیسا تانابانا ہے

'تانابانا' کے ذکر سے سلطنت گولکنڈہ (دکن) کا آخری تاجدار 'تاناشاہ' یاد آ گیا جس کی طبیعت کی رنگارنگی اور نازک مزاجی نے 'تاناشاہی' نام پایا یوں ہر نازک مزاج 'تانا شاہ' کہلایا۔ اس کے علاوہ کہاوت 'تاناشاہ دیوانہ جس کی چٹھی نہ پروانہ' بھی اسی 'تاناشاہی' کی یادگار ہے۔ ایسا ہی کچھ معاملہ محمد شاہ تغلق کا تھا جس نے اپنی تلوّن مزاجی اور غیر معمولی متضاد فیصلوں کے سبب 'عجب المخلوقات' کا لقب پایا نیتجتاً ہر سنکی اور فاتر العقل شخص 'تغلق' پکارا گیا۔ 'تاناشاہی' کی طرح ایک ترکیب 'سِکّھاشاہی' بھی ہے جو پنجاب پر سکھ حکمرانی کے دوران ہوئے مظالم اور باہم لڑائیوں کی یادگار ہے۔ اسی لیے بد نظمی اور بے انصافی کو کنایۃً 'سِکّھا شاہی' کہتے ہیں۔ 'سکھاشاہی' سے یاد آیا کہ سکھ مت میں پانچ علامتوں کو خاص اہمیت حاصل ہے، جو حرف کاف سے شروع ہونے کے سبب پانچ 'ککے یا ککار' کہلاتی ہیں۔ یہ پانچ ککے کِرپان (چھوٹی تلوار)، کچھّا (زیر جامہ)، کڑا، کنگھا اور کیس (بال) ہیں۔ آخر الذکر 'کیس' فارسی میں 'گیس' اور 'گیسو' کی صورت میں رائج ہے۔ اسے 'نظر حیدر آبادی' کے اس شعر میں بھی دیکھ سکتے ہیں:

اس چشم سیہ مست پہ گیسو ہیں پریشاں
مے خانے پہ گھنگھور گھٹا کھیل رہی ہے

اب واپس 'کیس' پر آتے ہیں جنہیں سکھ اہتمام سے رکھتے ہیں اور ان کی کانٹ چھانٹ نہیں کرتے۔ کانٹ چھانٹ اور تراش خراش کو عربی میں 'قَصّ' کہتے ہیں۔ اب بال کاٹنے کی نسبت سے لفظ 'قص' کو ذہن میں رکھیں اور انگریزی حرف 'X' پر غور کریں، اس میں آپ کو قینچی کی صورت 'X' کے ساتھ 'قص' کی آواز بھی صاف سنائی دے گی۔ اردو میں رائج قینچی اصلاً ترکی زبان سے متعلق ہے جس میں اسے غنہ کی آواز کے بغیر 'قیچی' بولا جاتا ہے۔ اس کی یہی صورت فارسی میں بھی رائج ہے۔ فارسی میں قیچی کو 'گاز' بھی کہتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ لفظ 'گاز' کی اصل بھی 'قص' ہے جو صوتی تبدیلی کے نتیجے میں 'گاز' ہو گیا ہے۔ معروف لغت نویس 'علی اکبر دھخدا' گاز کے ضمن میں لکھتے ہیں 'گاز کہ بدان آہن وسیم وزر تراشند' یعنی گاز وہ قینچی جو لوہا، چاندی اور سونا کاٹنے کے کام آتی ہے۔ اب اس بات کو علامہ اقبال کے شعر میں ملاحظہ کریں:

حکمتِ مغرب سے ملّت کی یہ کیفیّت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

❀❀❀

مرنے سے کچھ پہلے

تحریر: مسرت جبیں

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ یا قبر میں لیٹنے کی کیفیت کیا ہوگی؟ شاید میری طرح بہت سارے لوگ ان باتوں پر اس طرح غور نہیں کرتے جیسے روزمرہ کے معمولات یا زندگی کی دوسری باتوں پر صحیح معنوں میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ حالانکہ بچپن سے ہمیں ان دونوں باتوں یعنی عذاب قبر اور مرنے کے بعد اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کے بارے میں بہت تفصیل سے ذہن نشین کرایا جاتا ہے تاکہ ہم نیکی کی طرف مائل ہوسکیں اور برے کاموں سے دور رہیں لیکن کیا کیجئے کہ مجھ جیسا عام انسان جب تک زندہ ہے وہ اچھائی اور نیکی کے کاموں کی طرف اگر راغب ہوتا ہے تو صرف اس لئے کہ اس سے اسے ایک گونا تسکین اور راحت نصیب ہوتی ہے عذاب قبر اور جزا و سزا ذرا دور کی بات لگتی ہے۔

لیکن خدا بھلا کرے آج کی ترقی یافتہ میڈیکل سائنس کا کہ اس نے میرے جیسے لوگوں کو زندگی میں ہی قبر کے ذائقے سے آشنا کرنے کا بڑا وافر بندوبست کر دیا ہے۔ بس ذرا سا بہانہ چاہئے ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فوراً آپ کے لئے ایم آر آئی (MRI) تجویز کر دیتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ ایم آر آئی کیا بلا ہے سنا ضرور تھا اور تصویروں میں ایک غار نما سرنگ (Tunnel) دیکھی بھی تھی لیکن اپنی تو کیا کسی دوسرے کی بھی ایم آر آئی میں نے ہوتے ہوئے نہیں دیکھی تھی اس کے باوجود چونکہ مجھے ایکسرے اور اسی قبیل کی دوسری چیزوں سے خدا واسطے کا بیر ہے جو عام زندگی میں مجھے مائیکروویو اوون سے بھی حتی المقدور دور ہی رکھتا ہے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے ان نظر نہ آنے والی شعاعوں سے بڑی الجھن ہوتی ہے اس لئے جب ڈاکٹر نے فوراً ہی میرے لئے ایم آر آئی تجویز کر دیا تو میں چپکے سے بھاگ لی نہ تو یہ ٹیسٹ کرایا اور نہ پلٹ کر اس ڈاکٹر کے پاس ہی گئی۔ مسئلہ بھی تو معمولی سا ہی تھا کہ میرے دائیں کندھے میں مستقل درد رہنے لگا تھا، جسے درد دور کرنے والی دواؤں اور گرم پانی کی بوتل سے سینک کر جھیلتی رہی۔ درد چونکہ نظر نہ آنے والی چیز ہے اس لئے کسی دوسرے کو میری تکلیف کا اندازہ نہیں ہوا لیکن جب ہاتھ بالوں کو برش کرنے سے بھی محروم ہو گیا تو بیٹا پکڑ دھکڑ کر اپنے خیال سے اس حوالے سے ایک مشہور اور اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس لے گیا وہ تو مجھے بعد میں یاد آیا کہ یہ وہی ڈاکٹر صاحب تھے جن کا تجویز کردہ نسخہ میں جیب میں ڈال کر بھول بھال گئی تھی اب چھ مہینے بعد امید کر رہی تھی کہ انہیں میں یاد نہیں ہوں گی لیکن اسپتال کا ریکارڈ میرا منہ چڑا رہا تھا چیزوں کے کمپیوٹرائز ہونے کے فائدے بھی بہت ہیں لیکن نقصانات بھی ہیں بہرحال اب کے ڈاکٹر صاحب نے ذرا سختی دکھائی کہ بغیر ٹیسٹ کرائے میں کیا علاج کروں؟ اور یوں ڈھیر سارے خون کے ٹیسٹوں کے علاوہ ایم آر آئی اور پٹھوں اور عضلات کے ٹیسٹ تجویز کر دیئے۔ اسپتالوں اور ڈاکٹروں کے چکروں سے بچنے کے لئے میں اپنے میاں کو تو قائل کر لیتی ہوں لیکن اس نئے زمانے کی اولاد سے جان بچانا بڑا مشکل ہے سو مار دھاڑ کر کے ڈانٹ کھا کے (جی ہاں اب بچوں کی ڈانٹ کھانے کا وقت آ گیا ہے) میں آخر کار وہاں پہنچ گئی جہاں اب ہر ڈاکٹر اپنے مریض کو بھیجنا ضروری سمجھتا ہے اور اتنا رش ہوتا کہ باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ پتہ نہیں جب یہ طریقہ ایجاد نہیں ہوا تھا تو ڈاکٹر تشخیص کیسے کرتے تھے؟ لیکن حیرت کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مریضوں کا یہ ہجوم آخر اتنی بڑی بڑی رقمیں کیسے افورڈ کرتا ہے؟ بہرحال اصل مسئلہ یہ نہیں۔ کوئی کسی کو بتاتا کیوں نہیں کہ اس تجربے سے گزرنا کیسا ہوتا ہے؟ سچ پوچھیں تو جیتے جی قبر میں لیٹنے کا مزہ آ گیا۔ آپ اسے مزہ چکھنے کے معنوں میں سمجھ لیجئے۔ حالانکہ جہاں سے میں نے ایم آر آئی کرائی ان کے پاس دونوں سائڈ سے کھلنے والی مشین بھی تھی پھر بھی یہ لگ رہا تھا کہ دنیا سے کٹ کر بالکل ہی ایک دوسرے جہان میں پہنچ گئی ہوں خاص طور پر جبکہ پورے وقفے میں۔ جو میری دو طرح کی ایم آر آئی کے لئے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک کھنچ گیا تھا مجھے بالکل مردوں کی طرح ہلے جلے بغیر ایک ہی جگہ ساکت لیٹنا تھا اور جب گردن کی باری آئی تو تھوک نگلنے سے بھی پرہیز کرنے کی تاکید تھی اپنا دھیان بٹانے کے لئے میں نے یہ سارا واقعہ اپنی پوری زندگی کے اچھے اور برے لمحوں کو پوری تفصیل سے یاد یعنی (RE-LIVE) کر کے دیکھا شاید قبر میں بھی یہی کیفیت ہوتی ہوگی؟

بہرحال یہ عذاب جھیلنے کے بعد پتہ چلا کہ کندھے کے جوڑ میں پٹھے اور عضلے کے درمیان Tear آ گیا ہے۔ آپ اسے کھرونچ سمجھ لیں یا کھنچنے سے پٹھے کی کیفیت۔ بہرحال ساری تکلیف اسی کی پیدا کردہ تھی ڈاکٹر صاحب نے بہت کھوج لگائی کہ کہیں گری تھیں یا کوئی چوٹ آئی تھی؟ لیکن اب میں انہیں کیا بتاتی کہ لکھنے، پڑھنے اور ہانڈی میں چمچہ چلانے اور روٹیاں بیلنے کے علاوہ مشقت کا تو کوئی کام نہیں کیا تھا۔ سو کچھ عرصے کے لئے اس سے بھی توبہ کر لی اور ڈاکٹر کی تجویز کردہ فیزیوتھراپی سے دل لگا لیا لیکن جب تک جان ہے بھلا یہ کام بھی چھوٹ سکتے ہیں کہ انہی میں تو جان ہے۔ بات جان کی آئی تو اس تشخیص کے چکر میں میں نے اپنے خون کا شور بھی سن لیا میڈیکل سائنس میں یہ قدرے نیا شعبہ ہے جہاں ای سی جی کی طرح آپ کے پٹھوں اور عضلات کی صحت کو چیک کرنے

کے لئے مشین کا سہارا لیا جاتا ہے اور ایک مرحلے پر متاثر حصے کو مختلف جگہوں پر باقاعدہ انجکشن کی طرح سوئیاں چبھو کر مشین پر چیک کیا جاتا ہے جہاں ایک انگلی ہلانے پر بھی ایسا غضب کا شور ہوتا ہے، انسان حیران رہ جاتا ہے۔ خون کے جوش مارنے کا محاورہ بالکل سچ لگنے لگتا ہے اب پتہ نہیں اس سے ڈاکٹروں کی سمجھ میں کیا آتا ہے کم از کم ہمارے پلّے کچھ نہیں پڑتا ویسے میرے جیسے لوگوں کے لئے تو وہی پرانا زمانہ ہی اچھا تھا جب ڈاکٹر روشن جیسے مہربان ڈاکٹر ٹیلیفون پر ہی پوری تفصیل سن کر دوا تجویز کر دیا کرتے تھے اور ان کی تشخیص کے عین مطابق ہم ٹھیک ہو جایا کرتے تھے اب تو کوئی ڈاکٹر فون پر بات کرنے کا روادار نہیں اور ملاقات میں بھی کسی قسم کی تفصیلات سے آگاہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ اگر کوئی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی یا کسی دوا کا ری ایکشن ہو گیا ہے تو اگلی ملاقات کا انتظار کیجئے جو عین ممکن ہے ایک مہینے بعد ممکن ہو۔ ویسے اسپتالوں کا رش اور ڈاکٹروں کے پاس مریضوں کا ہجوم دیکھ کر یہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ہم لوگ ایک غریب ملک ہیں اور ہمارے ہاں علاج اس قدر مہنگا ہے۔ ایک احساس البتہ شدت سے ہوتا ہے کہ ڈاکٹری، میڈیکل پریکٹس اور اسپتالوں کی دنیا۔ اب ایک بے حد منافع بخش کاروبار بن چکا ہے جہاں مریض یا انسان کی حیثیت بالکل ثانوی ہو کر رہ گئی ہے۔

❁❁❁

طالبان کے خلاف لڑنے والی سیکڑوں افغان خواتین کے انجام پر سوالیہ نشان ؟

اگرچہ افغان طالبان نے رواں سال اگست میں ملک پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد کئی وعدے اور یقین دہانیاں پیش کیں، تاہم اس کے باوجود بہت سے افغانوں بالخصوص سیکورٹی اداروں اور فضائی میں کام کرنے والے اہل کاروں کو تشویش لاحق ہے۔

اپنے انجام کے حوالے سے "خوف کا شکار" ان افراد میں سیکڑوں خواتین بھی شامل ہیں جنہوں نے افغان فوج میں خدمات انجام دیں۔ انہیں کئی برس قبل طالبان کے خلاف لڑنے کے لیے امریکی افواج کے ہاتھوں تربیت فراہم کی گئی تھی۔

افغانستان کی فوج، پولیس اور فضائیہ میں کام کرنے والی 6300 سے زیادہ خواتین کا انجام ابھی تک پراسرار دکھائی دے رہا ہے۔

اس سلسلے میں ایک سابق افغان کرنل اور ہواباز عبدالرحمن رحمانی کا کہنا ہے کہ "گذشتہ 20 برسوں میں امریکا اور نیٹو ممالک کی جانب سے افغانستان میں خواتین کے حقوق اور مساوات وعدل کی مضبوطی دیکھی گئی"۔ امریکی جریدے نیشنل انٹرسٹ کی رپورٹ کے مطابق رحمانی اس وقت افغانستان کی قومی سلامتی کی کونسل کے دفتر میں صدارتی معلومات کے رابطہ کاری مرکز کے سربراہ ہیں۔

رحمانی کا مزید کہنا ہے کہ "ان کوششوں کے ضمن میں خواتین کو موقع ملا کہ وہ افغان فوج میں رضا کارانہ طور پر خدمات انجام دیں۔ ان خواتین نے نہ صرف طالبان کے خلاف لڑائی میں شرکت کی بلکہ انہوں نے جمہوریت، مساوات اور انصاف کو بھی مضبوط بنانے میں کردار ادا کیا"۔

رحمانی کے مطابق عالمی برادری بالخصوص امریکا نے ان خواتین کی حوصلہ افزائی کی اور افغانستان میں تبدیلی کے عمل کا حصہ بننے میں معاونت فراہم کی۔ طالبان کے اقتدار میں واپس آنے پر امریکا کو ان خواتین کے سر سے ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے۔

رحمانی نے خیال ظاہر کیا کہ ان خواتین کو انتقامی کارروائیوں اور ممکنہ طور پر قتل کا سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا انہیں امریکا کا ویزا فراہم کر کے افغانستان سے محفوظ طریقے سے نکلنے میں مدد کی جانی چاہیے۔

واضح رہے کہ 1996ء سے 2001ء تک افغانستان میں طالبان کے پہلے دورِ حکومت کے دوران میں طالبان تحریک نے شہریوں بالخصوص خواتین پر سخت گیر احکامات نافذ کر دیے تھے۔ اس عرصے میں لڑکیوں کو اسکول میں پڑھنے سے روک دیا گیا تھا۔ اسی طرح خواتین کے کام کرنے، سرکاری شعبے یا فوج میں خدمات انجام دینے اور تنہا سفر کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

(بشکریہ العربیہ اردو)

❁❁❁

یہ ہے زندگی کی گاڑی، اِسے مت روکیں

تحریر: عروج سلمان

اکثر و بیشتر ٹریفک کے بہاؤ میں ہمیں لال بتی جلائے شور مچاتی، تیز تیز آگے نکلنے کی کوشش میں ایک گاڑی نظر آتی ہے جسے ہم زیادہ اہمیت نہیں دیتے، مگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ایمبولینس محض ایک لال بتی والی گاڑی کا نام ہی نہیں بلکہ موت سے لڑتے کسی مریض کو زندگی واپس لوٹانے کا وسیلہ ہے، یوں مسیحا کا دوجا روپ ہے۔ ایمبولینس میں آج جو مریض ہے اس سے تو ہمارا کوئی رشتہ نہیں مگر کون جانے کہ کب کوئی ہمارا اپنا اس ایمبولینس میں موجود ہو اور یہ بظاہر سائرن بجاتی مگر اصل میں مریض کیلئے زندگی کے سانس جوڑتی ہسپتال کا رخ کئے شاہراہ پر دوسروں سے راستہ مانگ رہی ہو اور تب کوئی اسے راستہ نہ دے تو ایسے میں ہمارا کیا حال ہو گا۔ اسی لئے خدا تعالی نے پہلے ہی حقوق العباد کی شکل میں ہم پر خصوصی احکامات صادر فرما دیئے ہیں کہ ہم انجانے میں کسی کے دکھ اور تکلیف کا سبب بننے سے بچ جائیں، یہ نہ ہو روز حساب صرف حسرت اور بے پناہ پچھتاوا ہمارا مقدر بن جائے۔ خدمت خلق کا سب سے بڑا محرک لوگوں کے شکستہ دلوں کو حوصلہ دینا ہے، انسانی حقوق میں سب سے بڑا حق دوسروں کو جینے کا موقع فراہم کرنا ہے۔"جس نے ایک انسان کی جان لی گویا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا اور جس نے ایک ذی روح کو بچایا گویا اس نے پوری انسانیت کو بچایا" (القران سورۃ المائدہ آیت نمبر 32)

آیتِ مبارکہ سے اس بات کا تعین تو ہو گا کہ خدا کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل دوسروں کی زندگی کو تحفظ فراہم کرنا ہے، لیکن سوچنے کی بات ہے کہ ہم ذاتی طور پر کس طرح اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں، اس بات کا فیصلہ کرنا ہو گا" حدیث نبوی" کی روح سے کسی بشر کو خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا صدقہ ہے جبکہ انسانی جان کو بچانا تو اللہ کے قرب کو حاصل کرنے کا بہترین عمل ہے ضروت اس امر کی ہے کہ خوشنودی الہیٰ کو حاصل کرنے کے لئے ہم کتنی دل جمی کے ساتھ اس ذمہ داری کا بیڑا اٹھا سکتے ہیں۔

سب سے پہلے تو ٹریفک قوانین کو بہترین بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے متعقلہ محکمانہ کاوشوں کو بروئے کار لانا ہو گا اگر چند ذمہ دار لوگوں کی بات کی جائے تو یقینا اس کے پیچھے جو محرک کارفرما ہے یا جس میں بشری استطاعت کی حد تک انسانی دماغ کی رسائی ممکن ہے۔ ایوانوں میں بیٹھے قانون سازی کرنے والوں کا کردار بھی خاطر خواہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ مثال کے طور پر پل، سڑکیں، میٹرو اور رنج ٹرین جیسے ٹریک پر مشتمل منصوبے بنانا نیک شگون ہے، لیکن ان ترقیاتی کاموں کے ساتھ ساتھ غربت کی چکی میں پسے ابتری کی حالت میں لاچار مریض کیا کوئی حق نہیں رکھتا کہ جس ایمبولینس میں وہ جا رہا ہو اس کے لیے مین روڈ سے ایک الگ ٹریک ہونا چاہئے جس پر چلتے ہوئے ایمبولینس کی رسائی بآسانی شہر کے بڑے ہسپتال تک ممکن ہو۔

اس اخلاقی لحاظ سے زوال پذیر معاشرے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ بڑھتی ہوئی بے ہنگم ٹریفک پر کسی طرح قابو پایا جائے اگر تو ہمیں اس ہیجانی کیفیت پر کنٹرول کرنا ہے تو حکومت اور عوام میں باہمی تعاون بہت ضروری ہے، مثال کے طور پر سکولز اور کالجز کی سطح پر آگاہی ورکشاپس کا انعقاد کروایا جائے جس میں ٹریفک کے قوانین پر روشنی ڈالتے ہوئے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ اگر ایمبولینس سڑک سے گزر رہی ہو تو کون سی سمت میں رہ کر راستہ دینا چاہیئے۔ کم از کم پرائمری سطح پر ایک باب ٹریفک قوانین پر مشتمل ہونا چاہیئے جس میں ایمبولینس کو کیسے راستہ دینا ہے، اسکی اہمیت کو بھی زیر بحث لایا جائے، یقینا اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کے انسان جس چیز کو پڑھتا اور سنتا ہے اس کو اپنی زندگی میں عملی جامہ بھی پہنانے کی تگ و دو کرتا ہے اس کی مثال کچھ اس طرح ہو گی کہ اگر ڈرائیور حضرات کی اکثریت جو اس پیشے سے وابستہ ہے ان میں سے بیشتر کی تعلیم پرائمری ہوتی ہے۔ اگر وہ اس سطح پر ٹریفک کے قوانین اور ایمبولینس کو راستہ دینے کے حوالے سے اپنی بنیادی ذمہ داریوں کا مطالعہ کر چکا ہو تو ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں برتے گا۔ انسانی دماغ سازش بھی بنتا ہے اور بھلائی کا محور بھی ہے، ذرا سوچئے! جس خوانچہ فروش کے گھر میں 8 کھانے والے ہیں اور وہ بیچ چوراہے پر گھر کو چلانے کے لئے ریڑھی لگاتا ہے، کہاں دیکھے گا کہ جو تجاوزات اس نے مچائی ہے، جس کی وجہ سے ٹریفک کا نظام درہم برہم ہے اور اس کے سبب ایمبولینس بھی رش میں پھنسی پڑی ہے۔ دوسری جانب عین ممکن ہے کہ اس ایمبولینس میں ایسا انسانی چہرہ موجود ہو جو بیماری کی وجہ سے اپنے آخری سانسیں لے رہا ہو، آخر وہ ریڑھی بان بھی کیا کرے، شکم سیری کی حاجت نے اسے اندھا کر رکھا ہے۔ سوشل میڈیا پر ایسے پیجز بنائے جائیں جو عوام کو آگاہی مہیا کریں، میڈیا پر ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے جس نے ایمبولینس کو راستہ دینے اور دلوانے میں ذمہ دار شہری ہونے کا ثبوت دیا ہو اور کسی ذی روح کی جان کو تحفظ فراہم کیا ہو

جرمنی میں لوگ ایمبولینس کا سائرن سنتے ہی اپنی گاڑیاں سڑک کے دائیں بائیں لگا لیتے ہیں، سنگاپور کی سڑکوں پر بڑی مشکل سے ایمبولینس کو دوسری مرتبہ سائرن چلانے کی ضرورت پیش آتی ہے جبکہ پیرس میں باقاعدہ طور پر بانک اسکوارٹ کے نام سے ایک سروس ہے جس کا کام ایمبولینس کے لئے رستہ کلئیر کروانا ہے، انگلینڈ میں ایمبولینس کے لیے بھی الگ راستہ تیار کیا گیا ہے۔

احتجاج کرنا کسی بھی ملک کے عوام کا جمہوری حق ہے لیکن یہاں تب تک احتجاج پر

نوٹس نہیں لیا جاتا ہے جب تک سڑکیں بند نہ کر دی جائیں، حالانکہ ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ جو ایمبولینس اس بھیڑ میں کھڑی ہے اس کو تو راستہ دیا جائے لیکن اس نازک صورت حال پر بھی احتیاط نہیں برتی جاتی، ایک مرتبہ سوئٹزرلینڈ میں بھی احتجاج کے دوران سڑکوں پر عوام کا جمِ غفیر تھا لیکن بیچ میں سڑک خالی چھوڑی گئی تاکہ ایمبولینس کو باآسانی راستہ میسر ہو۔

ہمارے ہاں سگنلز پر کثیر تعداد میں بے ہنگم ٹریفک جمع ہو جاتی ہے جس میں ڈرائیور حضرات لائنوں کی ترتیب کو بھول جاتے ہیں حالانکہ اس میں ایمبولینس بھی جکڑ جاتی ہے اگر ہم ٹریفک کے اشاروں پر ایک ترتیب کے ساتھ کھڑے ہوں اور ایک لائن کو ایمرجنسی صورت حال سے نمٹنے کے لئے مختص کر دیں تو عقل ناقص کے مطابق آسانی سے ایمبولینس کو بلا تاخیر راستہ مہیا کیا جا سکتا ہے۔

چونکہ ہمارا شمار ترقی پزیر ممالک کی فہرست میں ہوتا ہے، سب سے بڑھ کر بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں صحت اور تعلیم کا بجٹ وزرا اور نوکر شاہی کی شان و شوکت اور پروٹوکول کے لئے زیادہ رکھا جاتا ہے۔ اسی پروٹوکول کی وجہ سے کبھی لاہور تو کبھی کراچی میں کئی جانیں وی آئی پی پروٹوکول کی نذر ہو جاتی ہیں۔

آئی سی آر سی (انٹرنیشنل کمیٹی آف ریڈ کراس) سوئٹزرلینڈ سے شروع ہونے والی این جی او ہے جس کا کام جنگ و دیگر قدرتی آفت کی وجہ سے زخمی ہونے والوں کو طبی سہولیات مہیا کرنا ہوتا ہے۔ گزشتہ سال آئی سی آر سی کی جانب سے جاری کردہ پریس ریلیز میں اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ ایمبولینس کو رستہ دینے میں کوتاہی برتنے والے کے خلاف دفعات بنا کر قانونی کارروائی جائے تاکہ باآسانی راستے کی فراہمی اور قانون کا اطلاق نہ صرف ڈرائیور پر بلکہ عوام الناس پر بھی ہو۔

آخر میں اس احساس ذمہ داری کو اجاگر کرنے کے لیے اس حدیث نبوی ﷺ پر اپنے سلسلہ کلام کو اختتام پذیر کرتی ہوں

" کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اسے اس کے ماتحت کے بارے میں جوابدہ ہونا پڑے گا"۔ یہ ہماری انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے کہ سڑک پر جاتی ہوئی ایمبولینس کو راستہ فراہم کرنے میں ہر ممکن تعاون کریں۔

21 ویں صدی کا تیز رفتار دھارا

تحریر: زاہدہ حنا

مغرب کو جب عروج میسر آیا اور صنعتی انقلاب نے اس کے یہاں سائنسی سوچ اور ایجادات کے در کھولے' اس کے ساتھ ہی اس کے لکھنے والوں کے ذہنوں میں خیال و افکار کے نئے دریچے وا ہوئے۔ وہاں جب سائنسی کہانیوں کا جنم ہوا تو ابھی جہاز ایجاد نہیں ہوا تھا۔

انیسویں صدی کے آخر میں جولیس ورنز اور ایچ جی ویلز ایسے ادیب پیدا ہو چکے تھے جو خیالی کہانیوں کا ایک ایسا طلسم آباد کر رہے تھے جہاں سے ان کے سائنسدان بہت سی ایجادات کا سراغ پانے والے تھے۔

ایچ جی ویلز کے ناول پر بننے والی فلم " وار آف دی ورلڈ " ہماری نسل نے ٹی وی پر دیکھی ہے اور ہماری نئی نسل "ہیری پورٹر" کے سات ناول پڑھ رہی ہے اور ان ناولوں پر بننے والی فلمیں دیکھ رہی ہے جس میں ہر طرف جادو کا کارخانہ ہے جو کل سائنسی حقیقت بن جائے گا۔ یہ وہ فلمیں ہیں جنھیں دیکھنے کے لیے بڑے اور بچے سبھی بے قرار رہتے ہیں۔

بہت دنوں پہلے ایک کہانی پڑھی تھی جو کچھ یوں تھی کہ ایک شخص زندگی کے جھمیلوں اور زندگی کے جھنجھٹوں سے اس قدر تنگ آتا ہے کہ ایک روز دنیا ترک کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے۔ اپنے تھیلے میں چند جوڑے کپڑے اور تھوڑا سا ضروری سامان لے کر جنگل سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کی طرف نکل جاتا ہے۔ ہفتوں وہ پہاڑوں میں پھرتا رہتا ہے، پھلوں سے بھوک مٹاتا ہے اور رات کو کسی محفوظ غار' میں سو جاتا ہے۔ ایک رات حسب معمول وہ کسی غار میں پناہ لیتا ہے اور گہری نیند سو جاتا ہے۔

اسی رات اس دنیا میں جسے وہ ترک کر آیا تھا، ایٹمی جنگ چھڑ جاتی ہے اور خوش فضا و دلربا دنیا چشم زدن میں راکھ کا ڈھیر بن جاتی ہے۔ اس شخص کو خبر بھی نہیں ہوتی اور ساری دنیا اس میں سانس لینے والے انسان، چرند اور پرند، خونخوار اور فرمانبردار جانور سب ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ جنگل جل جاتے ہیں اور چراگاہیں جھلس جاتی ہیں۔ ایٹمی اثرات غار کے اندر کی فضا کو مسموم تو نہیں کرتے پھر بھی جانے کن غیر مرئی اثرات کے تحت اس شخص کی نیند واشنگٹن ارونگ کے کردار "رپ وان ونکل" کی طرح دو دہائیوں پر پھیل جاتی ہے۔

وہ جب اپنی بیس برس کی طویل نیند سے جاگتا ہے اور غار سے باہر آتا ہے تو اس کی نگاہوں کے سامنے مردہ زمین ہے اور خاموش آسمان ہے۔ پہلے تو وہ عالم بیداری کو خواب سمجھتا ہے پھر جب اسے یقین آتا ہے کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا تو عالم وحشت میں وہ کسی انسان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔

اسے یاد آتا ہے کہ وہ انسانوں سے اتنا تنگ آچکا تھا کہ اس نے دنیا ترک کر دی تھی اور اب اپنے جیسے کسی انسان کی صورت دیکھنے کے لیے، اس کی آواز سننے کے لیے ترس رہا ہے۔ اس کی داڑھی برسوں میں جھاڑ جھنکاڑ ہو چکی ہے، بدن کے کپڑے گل کر اور تار تار ہو کر غار میں ہی رہ گئے ہیں، موسم کی سختیاں جھیلتا ہوا، راستے میں ملنے والے آلودہ ندی نالوں سے پیاس بجھاتا ہوا اور کسی نیم زندہ پیڑ کے پھل سے بھوک مٹاتا ہوا وہ سیکڑوں میل کا سفر کرتا ہے۔

اس کا مسئلہ زندگی کی تلاش ہے، وہ کسی دوسرے انسان کی آواز کے لیے اور اپنی بات اسے سنانے کے لیے ترستا ہے۔ کلام کرنے کی خواہش سے اس کی زبان اینٹھنے لگتی ہے۔ وہ چیختا چلاتا چلتا رہتا ہے، کبھی وہ گاتا اور گنگناتا ہے کہ شاید اس جیسا کوئی اور بھی ہو جو اس کی آواز سن کر کسی پیڑ کے پیچھے سے نکل آئے۔ کوئی پرندہ ہی مل جائے' کوئی طوطا جس سے وہ " میاں مٹھو چوری کھاؤ گے " کہہ سکے اور جواب میں اس کی ٹائیں ٹائیں سن سکے۔

ان گنت دن اسی طرح گزر جاتے ہیں آہستہ آہستہ اس کی ہمت جواب دے جاتی ہے تو ایک بستی کے کھنڈر سے گزرتے ہوئے اسے ایک ثابت و سالم آئینہ نظر آتا ہے۔ وہ دیوانوں کی طرح لپک کر اس آئینے کو اٹھا لیتا ہے اور جب اس میں اسے اپنی صورت نظر آتی ہے تو ذہن واہموں کا کھیل کھیلتا ہے۔ وہ اس میں نظر آنے والے عکس کو دوسرا انسان سمجھتا ہے اور اس سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ خود ہی سوال کرتا ہے، خود ہی سوال کا جواب دیتا ہے اور خوشی سے ناچنے لگتا ہے کہ آخر کار اسے ایک ہم نفس اور ہم زبان مل ہی گیا۔ جس طرح اس کہانی کا کردار اپنے آپ کو اس کرہ ارض پر تنہا محسوس کر کے دوسرے انسان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا اسی طرح بہت دنوں سے انسان کو اس نظام شمسی میں اپنی تنہائی ستانے لگی ہے۔

" سائنس فکشن " کی تقریباً ہر کہانی اور ہر فلم میں اس نے یہی خواب دیکھا ہے کہ دوسری دنیائیں موجود ہیں جہاں انسان جیسی ذہانت رکھنے والی یا اس سے کمتر یا برتر ذہن رکھنے والی مخلوق وجود رکھتی ہے۔ ان کہانیوں کا انسان اپنے خلائی جہازوں میں بیٹھ کر دوسری کہکشاؤں کی سمت نکل جاتا ہے اور مختلف سیاروں کی مخلوق سے نبرد آزما ہوتا ہے۔

تاہم یہ سب کہانیاں ہیں اور کہانیوں سے سائنسدانوں کی تشفی نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے ہیئت دانوں اور خلائی سائنسدانوں نے کئی دہائیوں پہلے نظام شمسی میں کسی ذہین مخلوق کی تلاش شروع کر دی تھی پھر جب " کولمبس ڈے " یعنی کولمبس کے امریکا دریافت کرنے کے پانچ سو برس مکمل ہوئے تو اس تلاش میں کچھ اور تیزی آگئی۔ 98 فٹ قطر کا ایک ایسا ٹیلی اسکوپ بنایا گیا جس کے ذریعے کائنات کی وسعتوں تک انسان کی رسائی ممکن ہو گئی۔ اس ٹیلی اسکوپ میں استعمال ہونے والے الیکٹرک آلات ایک سیکنڈ میں ریاضی کے دس کروڑ حسابات لگا سکتے ہیں۔ یہ آلات ایک وقت میں دس لاکھ ریڈیو فریکوینسیوں کو کھنگالتے ہوئے ہمہ وقت کام کرتے ہیں، لیکن سائنسدانوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔

ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ ان کی یہ تلاش وسعت اختیار کر گئی۔ ان کا کہنا ہے کہ ہماری طرح کی اگر کوئی ذہین مخلوق نظام شمسی یا قریب ترین کہکشاؤں میں موجود ہے اور وہ بھی ہم جتنی یا ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہے تو وہ بھی ہماری طرح کائنات میں اپنے نئے ساتھیوں کو ڈھونڈنے کے لیے بے تاب ہو گی اور جس طرح ہم بسیط کائنات میں مختلف ریڈیو سگنل بھیجتے رہتے ہیں، اسی طرح وہ بھی ہم سے رابطے کے لیے اور ہمیں اپنی موجودگی سے باخبر رکھنے کے لیے ریڈیو سگنل روانہ کر رہی ہو گی۔ اصل مسئلہ اس " سگنل " اور پھر اس مقامِ ترسیل کا پتہ چلانے کا ہے۔

کہانیوں میں اور افسانوں میں انسان دوسرے سیاروں پر زندگی کی تلاش میں کامیاب رہا ہے اور اس نے خلائی مخلوق اور انسانوں سے محبت اور نفرت کی، صلح اور جنگ کی، مہم جوئی کی ہزارہا کہانیاں لکھی ہیں لیکن اب اس کا جی چاہتا ہے کہ وہ نظام شمسی یا قریبی کہکشاؤں میں اپنے کسی ہمسر کو ڈھونڈے، کسی سیارے پر کوئی ایسی ذہن مخلوق نکل آئے جس کے سامنے وہ اپنی ایجادات و مصنوعات پر اترا سکے یا کوئی اس قدر ذہین نسل اسے مل جائے کہ جس کے سامنے وہ متعدد معاملات میں اپنے آپ کو عاجز جانے۔

اب سے سیکڑوں برس پہلے مہم جو بحری جہاز میں بیٹھ کر نئی دنیاؤں کی تلاش میں نکلتے تھے، لیکن ہمارے عہد کے مہم جو نئی ذہانتوں اور نئی دنیاؤں کی تلاش کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس تلاش کا کوئی خاتمہ نہیں اور جو یقیناً کولمبس اور واسکوڈی گاما کی مہموں سے کہیں زیادہ سنسنی خیز اور حیران کن ثابت ہو گی۔ شاید وہ دن ہماری زندگی میں ہی طلوع ہو جائے جب ذرائع ابلاغ چیخ چیخ کر ہمیں یہ اطلاع دے رہے ہوں کہ انسان نے کائنات میں اپنے جیسی دوسری ذہن مخلوق دریافت کر لی ہے۔ یہ خبر ہمارے لیے خوشی کا باعث تو ہو گی اور کیوں نہ ہو کہ یہ انسانی ذہانتوں کا کمال ہو گا لیکن یہ ملال ہمارے دل سے نہ جائے گا کہ اس کام میں ہم اپنا حصہ نہ ڈال سکے۔

صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ تمام مسلم ملکوں کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کی وجہ سے آج کی دنیا میں ان کا کوئی قابل ذکر مقام نہیں ہے اور جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی اور سماجی تحقیق میں یہ ملک سب سے پیچھے ہیں؟ جب ہم ان عوامل کو جان پائیں گے تب ہی حالات میں بہتری کی کوئی صورت نکلے گی۔

سب سے پہلے ہمیں خرد دشمنی کا رویہ ترک کرنا اور ہر مسئلے کو عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھنا ہو گا۔ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو قبول کرنے کی روش اختیار کرنی ہو گی۔ اپنی ناکامیوں کی ذمے داری دوسروں پر ڈالنے اور ہر لمحہ کسی دشمن کی تلاش میں رہنے کی نفسیات سے جان چھڑانی ہو گی۔ یہ نہ کیا تو 21 ویں صدی کا تیز رفتار دھارا ہمارا سب کچھ بہا کر لے جائے گا۔

❁❁❁

ہندومت اور ذات پات

ذات پات کی وجہ سے بھارتی معاشرہ پیچیدگی کا شکار ہے جسے سمجھنا ایک مشکل عمل ہے۔ ذات پات کے ساتھ ہی یہاں جنگلوں اور پہاڑوں کی دور دراز بستیوں میں قبائل آباد ہیں، جن کے اپنے رسم و رواج اور زبانیں ہیں۔ ذات پات کا یہ رواج آریا اپنے ساتھ لے کر آئے، جو وقت کے ساتھ مختلف شکلوں میں تشکیل پاتا رہا۔ ذات پات کی بنیاد ورن پر ہے جس کا مطلب رنگ ہے۔ اس میں چار ذاتیں ہیں: برہمن، کشتری، ویش اور شودر۔ یہ چاروں ذاتیں آگے چل کر ذیلی ذاتوں میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ ان ذیلی ذاتوں کی بنیاد پیشوں پر ہوتی ہے۔ جو جس ذات میں پیدا ہو جائے وہ اسی پیشے کو اختیار کرتا ہے۔ ذات کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ ہر فرد کو اپنی ذات کے دھرم پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ ان چار ذاتوں سے باہر اچھوت یا دلت ذات ہے، لیکن اسے یہ چار ذاتیں ناپاک قرار دے کر ان سے دور رہتی ہیں اور یہ لوگ شہروں سے باہر اپنی آبادیوں میں رہنے پر مجبور تھے۔ بھارت کے دانشوروں اور سیاست دانوں میں یہ بحث رہی ہے کہ کیا ذات پات نے ملک کو فائدہ پہنچایا یا نقصان۔ ان میں سے ایک جماعت کا یہ نقطہ نظر ہے کہ ذات پات کی تقسیم کی وجہ سے بھارت میں کوئی طبقاتی تضاد پیدا نہیں ہوا۔ چونکہ ہر فرد اپنی ذات میں محدود رہا اس لیے ملک میں امن و امان قائم رہا اور ذات پات میں باہمی فسادات اور جھگڑے نہیں ہوئے۔ جرمن فلسفی ہیگل نے جہاں ایک طرف یہ کہا کہ انڈیا کی کوئی تاریخ نہیں ہے، وہیں اس نے ذات پات کی وجہ سے یہ بھی کہا کہ ہندوستانی حکمران مطلق العنان نہیں بن سکے۔ کیوں کہ برہمن اونچی ذات ہونے کی وجہ سے ان کے اختیارات میں رکاوٹ تھے۔ لیکن دوسری جماعت کی یہ دلیل ہے کہ ذات پات نے انڈیا کی سوسائٹی کو تقسیم کیے رکھا اور چوں کہ جنگ کرنا کشتریوں کا پیشہ تھا، اس لیے یہاں حملہ آور کامیاب ہوتے رہے۔ ذات پات کی وجہ سے ملک میں قوم پرستی کے جذبات بھی نہیں آئے اور ہر ذات اپنے ہی دائرے میں محدود رہی۔ برہمنوں کے اثر و رسوخ اور رسومات کی بہتات کی وجہ سے نچلی ذاتوں پر مالی اور سماجی بوجھ بڑھتا رہا۔ ویدوں کا علم صرف برہمن ذات تک تھا۔ دوسری ذاتوں کو ویدوں کے علم کے حصول کی اجازت نہیں تھی۔ اس لیے اس نظام کے خلاف بدھ مت نے آواز اٹھائی مگر گپت دور حکومت میں ذاتوں کا نظام دوبارہ سے مستحکم ہو گیا اور منوسمرتی لکھے جانے کے بعد ذات پات کے قوانین اور بھی زیادہ مضبوط ہو گئے۔

ہندوستان میں جب مغربی اقوام نے آنا شروع کیا تو یہاں آ کر ذات پات کے نظام کو سمجھنے کی کوشش کی۔ موریا خاندان کے دور حکومت میں یونانی مورخ میگستھنیز نے یہاں سات ذاتوں کا ذکر کیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

پرتگیزیوں نے سب سے پہلے ذات پات کے لیے 'کاسٹ' کی اصطلاح استعمال کی۔ بعد میں آنے والے ڈچ، فرانسی اور انگریز تھے، جنہوں نے ذات پات کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اس موضوع پر نکولاس ڈیرکس کی کتاب 'کاسٹس آف مائنڈ' ایک اہم تحقیق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انگریزی حکومت سے پہلے ذات پات کی شناخت چھپی ہوئی تھی اور لوگ اس سلسلے میں حساس نہیں تھے۔ لیکن انگریز حکومت کے لیے یہ ضروری تھا کہ انتظامی وجوہات کی خاطر ذات پات کے نظام کو سمجھے۔ چنانچہ حکومت نے تاریخ علم بشریات، نسلیات کی بنیاد پر اعداد و شمار جمع کرنا شروع کیے۔ ایک کوشش تو یہ کی گئی کہ مختلف ذاتوں کے افراد کی پینٹنگز تیار کرائی جائیں، جو ان کے لباس اور ان کی پوری جسمانی حالت میں تھی۔ ان میں سے بعض پینٹنگز کے پس منظر میں کھنڈرات بھی دکھائے گئے، تاکہ اس کے ذریعے ماضی کو محفوظ کیا جا سکے۔ اس کے بعد ہر علاقے کے گزٹیئرز لکھوائے گئے جن میں ذاتوں اور قبائل کی تاریخ اور رسم و رواج کے بارے میں معلومات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انگریزی عہدیداروں نے مختلف رپورٹوں میں ذاتوں اور قبائل کے بارے میں اہم معلومات اکٹھی کیں۔ ذات پات کی شناخت اور اس کا مسئلہ اس وقت ابھر کر آیا جب سن 1771 میں پہلی مردم شماری ہوئی۔ اس میں ذات کا خانہ بھی موجود تھا اور ہر دس سال بعد ہونے والی مردم شماری میں ذات کا یہ اندراج ہوتا رہا۔ اس نے ذات پات کی شناخت کو ابھارا اور ہر فرد اپنی ذات کے بارے میں حساس ہو گیا۔ تب تک انگریزی حکومت کی جانب سے بھارت میں مسیحی مشنریز کو تبلیغ کی اجازت نہیں تھی۔ تاہم سن 1813 میں ایونجلیکل فرقے نے برطانوی پارلیمنٹ کو مجبور کیا کہ وہ مسیحی مشنریز کو ہندوستان جانے کی اجازت دیں۔ چنانچہ یہ مشنریز یہاں آئیں اور مسیحیت کی تبلیغ شروع کی تو ہندوستان کے لوگوں کو یہ ڈر ہوا کہ حکومت ان کا مذہب بدلنا چاہتی ہے۔ جب سن 1857 میں کارتوسوں کا واقعہ پیش آیا، جن کے بارے میں یہ تھا کہ ان میں گائے اور سور کی چربی استعمال ہوئی ہے، تو اس کے نتیجے میں بغاوت ہوئی۔ 1857ء کے بعد بھی مشنریوں کی تبلیغ کی وجہ سے لوگوں میں اپنی مذہبی شناخت کا جذبہ مضبوط ہوتا گیا۔ جب مناظروں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے مزید مذہبی شناختوں کو ابھارا۔ لہٰذا ڈیرک کی دلیل ہے کہ انگریزی دور حکومت میں ذات پات کو ایک نئی زندگی ملی اور ہندو سوسائٹی میں ذات پات کی شناخت اور تقسیم بڑھتی رہی۔ انگریزی حکومت کو اس کا یہ فائدہ ہوا کہ اس کی وجہ سے ان کے خلاف قوم پرستی کی تحریک نہیں اٹھی اور نہ ہی ان کے خلاف کوئی ذاتوں کا اتحاد ہوا۔ ذات پات کے اس شعور نے شمالی اور جنوبی

ہندوستان کے درمیان تضادات کو پیدا کیا۔ جنوبی ہندوستان نے برہمنوں اور آریا نسلوں کے خلاف تحریکیں اٹھیں اور ان میں دراوڑی نسل پر فخر کیا گیا اور برہمنوں پر سخت تنقید کی گئی کہ انہوں نے نچلی ذاتوں کو عزت اور وقار سے محروم کرکے غیر انسانی بنا دیا ہے۔ انہیں نہ تو ان کے مندروں میں جانے کی اجازت ہے نہ ہی وہ ان کے ساتھ وہ میل جول رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوتے ہیں۔ انہوں نے مہابھارت اور رمائن کو آریائی تہذیب کا تسلط قرار دیا۔ اس لیے جنوب میں رام کے بجائے ان کا ہیرو راون ہے۔ لہٰذا دراوڑی تحریک نے برہمن ازم کی تاریخ کو الٹ کر رکھ دیا اور اپنی نئی شناخت کو ابھار کر توانائی حاصل کی۔ ذات پات کی وجہ سے ایک اہم تبدیلی ہندوستان کی سیاست میں یہ آئی۔

دلت ذات کے رہنما ڈاکٹر امبیڈکر نے اس تحریک کا آغاز کیا کہ دلت ذات کے لوگوں کو بنیادی حقوق دیے جائیں۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کی طرح دلت ذات کو بھی جداگانہ انتخابات کا حق دیا جائے تاکہ وہ اپنے نمائندے منتخب کر سکیں۔ گاندھی جی نے اس پر سخت احتجاج کیا، کیونکہ وہ ہندومت میں ذات پات کے نظام کے قائل تھے اور جو جس ذات میں ہے اس کے اسی میں رہنے پر یقین رکھتے تھے۔ ڈاکٹر امبیڈکر کے اس مطالبے کی مخالفت میں انہوں نے مرن برت رکھ لیا۔ اس پر ڈاکٹر امبیڈکر پر دباؤ بڑھا کہ وہ اپنے مطالبے سے دست بردار ہو جائیں۔ اس پر انہوں نے ایک بار یہ بھی کہا کہ اگر گاندھی جی ایک بار میرے ساتھ کھانا کھالیں تو میں یہ مطالبہ چھوڑ دوں گا۔

مگر بالآخر ڈاکٹر امبیڈکر کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ گاندھی جی سے مل کر کوئی راستہ نکالیں۔ چنانچہ پونا معاہدے کے تحت سن 1932 میں یہ قرار پایا کہ دلت ذات کے لوگوں کے لیے ریزرویشن میں زیادہ نشستیں کردی جائیں گی۔ آخر میں ڈاکٹر امبیڈکر اس پر مایوس ہو کر گئے کہ ہندومت میں رہتے ہوئے دلت ذات کے لوگوں کو ان کے حقوق نہیں ملیں گے۔ اس لیے انہوں نے اپنے تین سو ساتھیوں سمیت بدھ مت کو اختیار کر لیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ ہندو دیوتاؤں کو گھر سے باہر پھینک دیں۔ ڈاکٹر امبیڈکر بھارت کا دستور لکھنے والوں میں سے ہیں جس میں انہوں نے کوشش کی ہے کہ تمام لوگوں کو برابر کے حقوق دیئے جائیں، لیکن عملی طور پر اب بھی بھارت میں دلت ذات کے ساتھ تعصب کا برتاؤ ہوتا ہے۔ خاص طور سے گاؤں اور دیہاتوں میں ان کے کنوئیں علیحدہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ سیاست کی وجہ سے کچھ تبدیلیاں آئی ہیں، لیکن اب بھی ذات پات کا یہ تاثر جاری ہے۔ جب 2001ء کی مردم شماری میں ذات کا خانہ رکھا گیا تو اس پر سخت احتجاج کیا گیا کہ یہ انگریزی دور کا ورثہ ہے جسے ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ دلت ذات میں سیاسی شعور پیدا ہو گیا ہے اور وہ اپنے حقوق کے لیے جدوجہد بھی کر رہے ہیں۔ ان کا دانشور طبقہ اپنی تحریروں کے ذریعے ایک نئے شعور کو پیدا کر رہا ہے۔ لیکن ذات پات کی یہ روایات اور تعصّبات جو ہزاروں برس سے واضح ہیں، ان کو ختم کرنے میں بھی کافی وقت درکار ہوگا۔ حال ہی میں ارون دتی رائے نے ڈاکٹر امبیڈکر کی کتاب 'انائیلیشن آف دی کاسٹس' یا 'ذات پات کے نظام کا خاتمہ' ایک طویل تعارف کے ساتھ دوبارہ شائع کی ہے۔ امبیڈکر نے یہ کتاب اپنے خرچے سے شائع کرائی تھی اور پھر اس کا دوسرا ایڈیشن نہیں چھپا تھا۔ ارون دتی رائے نے تعارف کا عنوان رکھا ہے 'ڈاکٹر اینڈ دی سینٹ' یعنی ڈاکٹر امبیڈکر اور گاندھی جی۔ اس میں اس نے ثابت کیا ہے کہ امبیڈکر کی شخصیت سے زیادہ اہم ہے۔ لہٰذا بھارت میں ذات پات کی یہ جنگ ابھی جاری ہے۔ ❀❀❀

مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں 10 خواتین اعلیٰ عہدوں پر تعینات

مکہ اور مدینہ کی دونوں مساجد سے متعلق امور چلانے والے ادارے نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ خواتین کو مساجد کے انتظامی اور تیکنیکی محکموں میں تعینات کیا گیا ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ خواتین کی بھرتیوں کا مقصد تعلیم یافتہ اور اہل خواتین کو خود مختار بنانا ہے۔ سعودی عرب کے مقامی میڈیا کے مطابق ان دونوں مساجد میں اس سے قبل 2018 میں 41 خواتین کو اعلیٰ انتظامی عہدوں پر تعینات کیا گیا تھا۔ خواتین کی مختلف محکموں میں بھرتیاں سعودی ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان کے اقتصادی اور سماجی 'ویژن 2030' کا حصہ ہے جس کا مرکزی نکتہ ملکی معیشت کا تیل پر انحصار کم سے کم کرنا اور سعودی عرب کو ایک روشن خیال معاشرے کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 2019 کی تیسری سہ ماہی میں سعودی عرب میں 'ورکنگ ویمن' کی تعداد 10 لاکھ سے زائد تھی۔ 2015 میں یہ تعداد آٹھ لاکھ 16 ہزار تھی۔ سعودی عرب میں کی جانے والی حالیہ اصلاحات کے بعد خواتین کو ڈرائیونگ کی اجازت بھی مل گئی جب کہ ملک میں سینماؤں کے قیام اور پبلک مقامات پر مخلوط تقریبات کی اجازت بھی دے دی گئی ہے۔ سعودی حکومت نے گزشتہ برس اکتوبر میں خواتین کو فوج میں بھی بھرتی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ خواتین اب سعودی عرب کی رائل آرمی، رائل ایئر فورس، نیوی، ایئر ڈیفنس اور فوج کے شعبہ میڈیکل میں سپاہی، کارپورل، ڈپٹی سارجنٹ اور سارجنٹ کی آسامیوں کے لیے درخواستیں دے سکتی ہیں۔ ❀❀❀

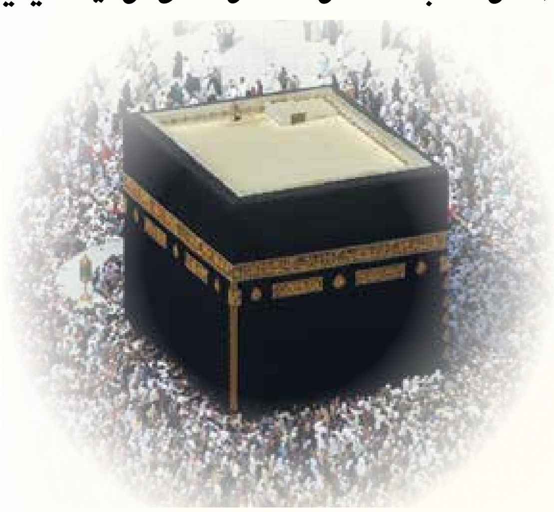

عشق و محبت والی انوکھی ہیرو گیری

تحریر: صبا حسین

ہسپتال میں کام کرنے کا مطلب ہے روزانہ کی بنیاد پر ہزاروں مختلف لوگوں اور ہزاروں مختلف سوچوں سے کا سامنا کرنا۔ ان مختلف سوچوں سے پھوٹنے والی روزانہ کی کشمکش میں آپ خود کو کتنا غیر جانبدار رکھ پاتے ہیں؟

اس غیر جانبداری سے پتا لگتا ہے کہ زندگی کے اس سفر میں بطور انسان آپ کہاں کھڑے ہیں؟ یہ اُن دنوں کی بات ہے، جب میں پروبیشن پیریڈ پر تھی اور ذمہ داری نبھانے کے لیے مجھے کڈنی ٹرانسپلانٹ وارڈ میں بھیجا گیا۔ معمول کی طرح میں اپنا کام کر رہی تھی کہ اچانک ایک نرس کے چیخنے کی آوازیں آئی۔ میں نے آواز پر دھیان دیا تو وہ ایک مسلمان اسٹاف کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ تم نے قرآن پاک کو اس کیبنٹ میں کیسے رکھ دیا، اگر کسی ہندو اسٹاف نے قرآن پاک کو اٹھا کر شہید کر دیا، تو؟

اس دن ایک بات کا شدت سے احساس ہوا کہ ہمارے سماج میں محبت کی سب سے بڑی جزا ہی نفرت ہے۔ جس محبت میں نفرت کی جز انہ ہو، اسے ہم محبت سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ جب کبھی ہمیں محبت کا اظہار کرنا پڑ جائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ ہم کسی سے نفرت کا اظہار بھی کریں۔

پاکستان سے محبت کا اظہار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان سے نفرت کا اظہار کرو۔ اپنے مسلک سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے مسلک سے نفرت کرو۔ ہماری نرس کو بھی قرآن سے محبت تھی، مگر محبت کا یہ راستہ ہندو کی نفرت سے ہو کر گزرتا تھا۔

سیالکوٹ میں سانحہ ہجوم نے توہین مذہب کے الزام میں سری لنکا کے شہری کو تشدد کر کے ہلاک کر دیا۔ نفرت کا الاؤ اس قدر دہکا ہوا تھا کہ اس کی مسخ شدہ لاش کو جلا بھی دیا گیا۔ اور جلتی ہوئی انسانی جسم اور روح کے ساتھ سیلفیاں اس طرح لی گئیں، جیسے لوگ نماز جمعہ کے بعد کسی میلے ٹھیلے میں تفریح کے لیے نکلے ہوئے ہوں۔

یہ سوچ کر ہی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ چند منٹوں میں انسان کے بنائے ہوئے حروف اور دوسری اشیاء کیسے خدا کی بنائی ہوئی مخلوق سے بھی اہم ہو جاتی ہیں؟

ہر وہ چیز جو خدا سے نسبت رکھتی ہے مقدس ہو جاتی ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی سب سے اشرف مخلوق ہونے کے ناطے انسان کبھی مقدس کیوں نہیں ہوا؟ خدا کی بنائی ہوئی مخلوق کو یوں بے دردی سے سنگسار کر دینا توہین مذہب کے زمرے میں کیوں نہیں آتا؟

خدا اور اس کے رسول سے محبت کی بات کی جائے تو بیچ میں نفرت کے حوالے کیسے آ جاتے ہیں؟ محبت کی کوکھ سے ہمیشہ ہمیشہ محبت ہی جنم لے سکتی ہے۔ محبت کا ٹائٹل لگا کر جب دنگے فساد کیے جاتے ہیں تو کسی کا نقصان نہیں ہوتا۔ خود ان تعلیمات کا نقصان ہوتا ہے، جسے اہلِ مذہب اچھا دکھانا چاہتے ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے میلاد کے پنڈال کے لیے کچھ ٹینٹ لینے کے لیے بازار گئے۔ دکاندار نے سب سے پہلے یہ پوچھا، ٹینٹ کس لیے چاہئیں؟ ہم نے میلاد کا بتایا تو ٹینٹ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ ہم نے وجہ پوچھی تو بات گھما دی۔ کچھ دیر کے بحث مباحثے سے جب دکاندار کو اعتبار ہو گیا کہ ہم بے ضرر لوگ ہیں تو اس نے کہانی کھولی۔ اس نے بتایا سامنے گلی والی مسجد میں میلاد کے لیے کچھ لوگ مجھ سے ٹینٹ لے گئے تھے۔

میلاد کے بعد پیسوں کا تقاضا کیا تو کسی نے کچھ خاص جواب نہیں دیا۔ ایک بار جب میں پیسے وصول کرنے مسجد گیا تو بات بگڑ گئی۔ مجھے کہا گیا کہ ابھی کے ابھی یہاں سے چلے جاؤ، ایک فتوی جاری ہو گیا تو درگت بن جائے گی تمہاری۔ میں نے اسی وقت واپسی کا راستہ لیا اور عہد کیا کہ آئندہ مندر والوں کو تو ٹینٹ دیدوں گا مسجد والوں کو کبھی نہیں دوں گا۔

سوال یہ ہے کہ ٹینٹ والے کے دل دماغ میں مسجد کی یہ بھیانک تصویر کس نے بٹھائی؟ اس میں ٹینٹ والے کا اپنا کوئی قصور نہیں ہے۔ مگر ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم دماغ میں بری تصویر بنا دیتے ہیں اور پھر دماغ کو جلاتے بھی ہیں کہ اس پر یہ تصویر کیوں بنی؟ ہماری اس حرکت کو ہم عشق و محبت کا نام دیتے ہیں اور ہیرو بن جاتے ہیں۔

❁❁❁

بس یہی فکر ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟

تحریر: ثنا حسین

ماں باپ کا اولاد کے لیے بے لوث پیار یوں تو کسی کی رائے اور دخل اندازی کی گنجائش نہیں چھوڑتا مگر ہم اکثر اپنے ارد گرد بسنے والے لوگوں کی سوچ کو اس پیار پر بھی حاوی ہونے کی اجازت دے دیتے ہیں۔

ہم چھوٹی چھوٹی خوشیوں، خوابوں، جذبات، رہن سہن، تعلیم حتیٰ کہ نوکری سے لے کر شادی بیاہ اور ہر ذاتی فیصلے تک میں لوگوں کی قبولیت کو ہی سند سمجھتے ہیں۔ تان ہمیشہ یہاں آ کر ٹوٹتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟

یہ سوچ ہمارے معاشرے پر کتنا گہرا اثر رکھتی ہے، اس کی اکثر بہت دلچسپ مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ جیسے کہ سماجی طبقے سے قطع نظر تقریباً ہر گھر میں ڈرائنگ روم (مہمان خانہ) سب سے صاف رکھا جاتا ہے، جس میں سارے گھر میں سے سب سے قیمتی اور آرام دہ فرنیچر وغیرہ شامل ہے۔ پیچھے یہی سوچ کارفرما ہے کہ مہمان آپ کی مالی حیثیت کا اندازہ تو ضرور لگائیں گے اور ان کے طے کردہ معیار پر پورا نہ اترے تو لوگ کیا کہیں گے؟

اسی طرح سب سے مہنگے، خوبصورت اور نازک برتن ہمیشہ ایک شیشے کی الماری میں سجے رہتے ہیں اور کسی گھر والے کو ان کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ البتہ گھر والے پلاسٹک کے پرانے برتن بخوشی استعمال کر سکتے ہیں۔ آپ اسے مہمان نوازی کہیں یا کنجوسی، ہر حال میں مہمانوں کو ہی نایاب چیز استعمال میں لانے کا حق حاصل ہے۔

لباس، جوتے، زیور، بناؤ سنگار سب ہی مثالیں اس رویے سے مطابقت رکھتی ہیں۔ اپنی استطاعت سے بڑھ کر رہن سہن سے لے کر بچوں کی تعلیم تک میں معاشرتی سند کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے۔ سوچ یہی ہے کہ مہنگا اور پرائیویٹ سکول ہونا چاہیے اور کپڑے برینڈڈ نہ پہنے تو لوگ کیا کہیں گے؟

یہاں تک تو دکھاوا شاید کچھ حد تک بے ضرر ہے۔ مسائل تب پیدا ہوتے ہیں، جب لوگوں کی باتوں کا ڈر ہمارے اپنوں کے آگے بڑھنے کی راہ میں رکاوٹ حائل کرنے لگتا ہے۔ جیسے کہ بیٹی کی تعلیم کتنی ہو اور کس ادارے سے حاصل کی جائے؟ مخلوط نظام تعلیم بہت سے گھروں میں بحث کا سبب بنتا ہے کیونکہ بیٹی کے کردار سے لے کر اس کی قابلیت پر اعتبار سے زیادہ اکثر یہ سماجی دباؤ بازی لے جاتا ہے کہ اگر لڑکوں کے ساتھ پڑھی تو لوگ کیا کہیں گے؟

یہ دباؤ مختلف طبقوں میں مختلف اہمیت رکھتا ہے مگر بہر حال پایا ضرور جاتا ہے۔ لوگوں کے ان طعنوں کا خوف کہ تعلیم مکمل کر کے فوراً شادی کر لی تو ماں باپ کا پیسہ کیوں ضائع کیا؟ فوراً شادی نہیں کی؟ عمر نکل جائے گی کیوں نہیں کی؟ شادی کے بعد نوکری کی تو گھر بار کون دیکھے گا؟ اگر نوکری نہیں کی تو کیا فائدہ ایسی تعلیم کا؟ دلچسپ پہلو یہ ہے کہ لوگ کیا کیا کہیں گے، اس میں خاطر خواہ اضافہ صرف خاتون ہونے سے ہی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح بات جب رشتہ طے کرنے کی بات ہو تو خاندان میں شادی، ماں باپ کی مرضی سے شادی، پوتا دیکھنے کے شوق میں شادی، کسی ناراض رشتے دار کو منانے کے لیے شادی وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب لوگوں کے کچھ کہنے کے ڈر کو ہی مدنظر رکھ کر طے پاتا ہے۔ چاہے اس دوران کتنے ہی ارمان، ترجیحات، سوچ اور شوق کچلے جائیں، اس کی کسی کو پروا نہیں۔ پروا بس یہ ہے کہ لوگ کیا کہیں؟

ذاتی زندگی میں بھی لوگوں کی رائے گہرا اثر رکھتی ہے۔ جیسے کہ گھر کے کاموں میں ساتھ دینے سے لے کر اپنی ہی اولاد کے کچھ کاموں کی ذمہ داری لینے والے مرد حضرات کے لیے مختلف القاب مقرر کیے جاتے ہیں۔

یہ تو کچھ سطحی سی مثالیں ہیں لیکن آپ جتنی گہرائی میں جاتے جائیں گے، آپ کو اندازہ ہو گا کہ لوگوں کی رائے کس حد تک ہماری زندگیوں میں رچ بس چکی ہے اور ہم نے دوسروں کی رائے کو اپنی زندگیوں کا ایک بہت اہم جز وسمجھ لیا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم یہ پہچان سکیں کہ آخر یہ لوگ کون ہیں، جو کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہتے ہیں؟ ایسا تو نہیں کہ ہم خود بھی وہی لوگ ہیں؟ ہو سکتا ہے ہماری بے جا تنقید اور دوسروں کی ذاتی زندگیوں میں دخل اندازی کسی کی دل آزاری کر رہی ہو اور کہیں کسی نوجوان کے آگے بڑھنے کے خوابوں کو ابدی نیند سلا رہی ہو؟

یا ہم وہ لوگ تو نہیں، جو دوسروں کی رائے کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اپنوں کی ہی ذہنی آسودگی کے دشمن بن جاتے ہیں؟ کہیں ہم وہ لوگ تو نہیں، جو اپنی اولاد کی خوشیاں نظر انداز کر کے خود معاشرے میں قبولیت ڈھونڈنے میں مصروف ہیں؟ ذرا سوچیں! دوسروں کی زندگیوں میں بے جا دخل اندازی نہ کرتے ہوئے ہم کتنی آسانیاں بانٹ اور حاصل کر سکتے ہیں؟

❀❀❀

بچوں کا گلستان

بچوں کی غذائی ضروریات پوری کرنے کے طریقے

بچوں کی غذائی ضروریات بڑوں سے مختلف ہوتی ہیں۔ آپ اپنے بچوں کو جو غذائیں دے رہے ہیں، کیا وہ ان کی غذائی ضروریات پوری کر رہی ہیں؟ آپ کے بچوں کے لیے سب سے اہم وٹامنز اور معدنیات (منرلز) کون سے ہیں، آیئے جانتے ہیں:

بچوں کیلئے ضروری غذائی اجزاء:

کیلشیم: اکیڈمی آف نیوٹریشن اینڈ ڈائیٹیٹکس کی ترجمان ڈاکٹر اینڈریا جیا نکولی، ایم پی ایچ، آر ڈی کے مطابق، 'ہڈیوں اور دانتوں کی نشوونما میں کیلشیم کو بنیادی جزو کی حیثیت حاصل ہے۔ بچپن میں آپ کے بچے کی ہڈیاں بشمول دانتوں کی نشوونما جس قدر اچھی ہوگی، بڑھاپے میں ان کے ٹوٹنے کا عمل اتنا ہی سست ہوگا۔'

کیلشیم کی ضروریات: ☆ایک سے تین سال کی عمر کے بچوں کو روزانہ 700 ملی گرام کیلشیم کی ضرورت ہوتی ہے۔☆ چار سے آٹھ سال کی عمر کے بچوں کو روزانہ 1ہزار ملی گرام کیلشیم کی ضرورت ہوتی ہے۔☆9 سے 18 سال کی عمر کے نوعمر بچوں کو 1ہزار 300 ملی گرام کیلشیم کی ضرورت ہوتی ہے۔

کن غذاؤں میں کیلشیم پایا جاتا ہے؟ ڈیری مصنوعات، سامن مچھلی، گہرے ہرے رنگ کے پتوں والی سبزیوں جیسے کیل (Kale) اور فورٹیفائیڈ غذاؤں میں کیلشیم موجود ہوتا ہے۔ فورٹیفائیڈ وہ غذائیں ہوتی ہیں، جن میں مصنوعی طور پر مختلف وٹامنز یا منرلز کا اضافہ کیا جاتا ہے، جیسے کئی 'فروٹ جوسز' میں کیلشیم کا اضافہ کیا جاتا ہے، یا ڈبے والے دودھ میں 'وٹامن ڈی' شامل کیا جاتا ہے۔

فائبر: فائبر نہ تو کوئی وٹامن ہے اور نہ ہی معدنیات لیکن جن غذاؤں میں فائبر موجود ہوتا ہے وہ کئی اہم غذائی اجزاء جیسے وٹامن اے، وٹامن سی، کیلشیم، میگنیشیم اور پوٹاشیم سے بھرپور ہوتی ہیں۔

فائبر کی کسے، کتنی ضرورت ہوتی ہے؟ فائبر کی تجویز کردہ مقدار کا دارومدار اس بات پر ہے کہ آپ کا بچہ روزانہ اپنی غذا کے ذریعے کتنی کیلوریز حاصل کرتا ہے: اس کا ایک عمومی اصول یہ ہے کہ آپ کے بچے کو 1ہزار کیلوریز کے ساتھ تقریباً 14 گرام فائبر لینا چاہیے۔ فائبر کے معاملے میں بچوں کے جسم کو بھی روزانہ اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے، جتنی کہ بڑوں کو۔ ڈاکٹر جیا نکولی کہتی ہیں، ''چار سے آٹھ سال کی عمر کا ایک بچہ، جو یومیہ 1ہزار 500 کیلوریز لے رہا ہے، اسے 25 گرام فائبر کی ضرورت ہوتی ہے اور میں خود بھی اسی مقدار میں روزانہ فائبر لیتی ہوں''۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نوعمر بچے جو بڑوں سے کچھ ہی کم خوراک کھاتے ہیں، انھیں یومیہ اوسطاً 18 گرام فائبر کھانا چاہیے۔

فائبر والی غذائیں: وہ غذائیں جن میں بھرپور مقدار میں فائبر پایا جاتا ہے، ان میں بیری پھل (اسٹرابیری، بلیو بیری، جامن، انگور، فالسہ اور دیگر چھوٹے نرم پھل)، شاخ گوبھی (Broccoli)، ایواکاڈو اور جو کا دلیہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ، چنے اور ہر قسم کے لوبیا میں بھی فائبر موجود ہوتا ہے۔ لوبیا میں پروٹین، وٹامن اے اور پوٹاشیم بھی پایا جاتا ہے۔

بی 12 اور دیگر بی وٹامنز: میٹابولزم، توانائی، صحت مند دل اور عصبی نظام (نروس سسٹم) میں بی وٹامنز کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ بی 12 کو اہم ترین وٹامن بی میں شمار کیا جاتا ہے۔

کسے کتنی ضرورت ہے؟

☆شیر خوار بچے: تقریباً 0.5 مائکروگرام یومیہ

☆تین سال تک کے بچے: تقریباً 0.9 مائکروگرام یومیہ

☆چار سے آٹھ سال کے بچے: تقریباً 1.2 مائکروگرام یومیہ

☆نو سے تیرہ سال کے بچے: تقریباً 1.8 مائکروگرام یومیہ

☆ٹین ایج: تقریباً 2.4 مائکروگرام یومیہ

(تجویز کردہ یومیہ مقدار مائکروگرام میں ہے)

وٹامن بی 12 کن غذاؤں میں موجود ہوتا ہے؟

وٹامن بی 12 زیادہ تر جانوروں سے حاصل ہونے والی غذاؤں جیسے گوشت، پولٹری، مچھلی اور انڈوں میں موجود ہوتا ہے۔ اکثر بچوں کو روزمرہ غذا سے مناسب مقدار میں بی 12 حاصل ہوجاتا ہے، تاہم سبزیاں زیادہ کھانے والے بچوں کو اس کی کمی کا سامنا ہوسکتا ہے۔ ایسے میں ماہرین ایسی فورٹیفائیڈ غذاؤں کا مشورہ دیتے ہیں، جن میں بی 12 خصوصی طور پر شامل کیا جاتا ہے لیبل پر cyanocobalamin کو تلاش کریں، جو کہ وٹامن بی 12 کا متحرک جزو ہوتا ہے۔

وٹامن ڈی: وٹامن ڈی، کیلشیم کے اشتراک میں ہڈیوں کو مضبوط بناتا ہے۔ وٹامن ڈی بڑی عمر میں دائمی امراض سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

کسے کتنی ضرورت ہوتی ہے؟

امریکن اکیڈمی آف پیڈیاٹریشن کے مطابق، چھوٹے اور کم عمر بچوں کو کم از کم 400 آئی یو (انٹرنیشنل یونٹس) وٹامن ڈی لینا چاہیے۔ ماں کا دودھ پینے والے بچوں کو وٹامن ڈی سپلیمنٹ ڈراپس کی ضرورت ہوتی ہے، جب تک کہ وہ دیگر غذاؤں پر آجائیں۔ طبی ماہرین کے مطابق وہ بچے جو فارمولا دودھ پر ہیں، انھیں روزانہ کم از کم 32 اونس وٹامن ڈی فورٹیفائیڈ فارمولا دودھ پلایا جانا چاہیے۔

وٹامن ڈی کن غذاؤں میں ہوتا ہے؟:

مچھلی کی کئی اقسام میں بھر پور مقدار میں وٹامن ڈی پایا جاتا ہے۔انڈے کی زردی اور فورٹیفائیڈ دودھ میں بھی وٹامن ڈی موجود ہوتا ہے۔سبزی زیادہ کھانے والے افراد کو وٹامن ڈی کے حصول کے لیے فورٹیفائیڈ اناج (سیریل) والی غذائیں اپنی روزمرہ خوراک میں شامل کرنی چاہئیں۔امریکن اکیڈمی آف پیڈیاٹرکس تمام والدین کومشورہ دیتی ہے کہ اگر کسی کا بچہ وٹامن ڈی کے 400انٹرنیشنل یونٹس یومیہ حاصل نہیں کر رہا تواسے وٹامن ڈی سپلیمنٹ دینا چاہیے۔

وٹامن ای: وٹامن ای، جسم کے مدافعتی نظام کومضبوط بناتا ہے۔یہ خون کی نالیوں کوصاف اور اس کی گردش کو بھی بہتر بناتا ہے۔

کسے کتنی ضرورت ہوتی ہے؟

☆ایک سے تین سال تک کے بچوں کو9انٹرنیشنل یونٹس یومیہ وٹامن ای کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ چار سے آٹھ سال تک کے بچوں کو روزانہ 10.4 آئی یوضرورت ہوتی ہے۔

☆نو سے تیرہ سال تک کے بچوں کو روزانہ 16.4 آئی یوضرورت ہوتی ہے۔

☆ٹین ایج میں بالغ افراد کے مساوی یعنی22 آئی یو روزانہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

وٹامن ای کن غذاؤں میں ہوتا ہے؟

ویجیٹبل آئلز جیسے سورج مکھی اور زعفران کا تیل، گری دار میووں اور بیجوں بشمول بادام،اخروٹ،اور سورج مکھی کے بیج میں وٹامن ای بھر پور مقدار میں پایا جاتا ہے۔

❁❁❁

نئے سال میں نئے خواب ہوں

فرحت ضیاء راٹھور

نئے سال میں نئے خواب ہوں
نئے موسموں کے گلاب ہوں
رہے روشنی کا گذر سدا
تیری رحمتیں بے حساب ہوں
یہ وبا جو پچھلے برس پڑی
مولا ختم اس کے عذاب ہوں
ملیں خوشیوں سے گلے ہر گھڑی
نہ ہی فاصلے نہ نقاب ہوں
ہوں رفاقتیں ہی رفاقتیں
نہ بچھڑنے کے کوئی باب ہوں
ہوں خلوص چاہتیں دم بدم
اور لہجے سارے گلاب ہوں
میرے دوستوں پہ کرم رہے
میرے پیارے سارے شاداب ہوں
تیری کائنات حسین ہے
مانند اس کے نہ ماہتاب ہوں
تیرے کن ہوں سبھی منتظر
تجھے پانے کو ہی بے تاب ہوں
رہے مجھ سے راضی میرا خدا
نہ کبھی حساب وکتاب ہوں
میرا سائیں ہر دم جئے سدا
اونچے اس کے سب آفتاب ہوں

❁❁❁

حمد

مرسلہ: شاہینہ خان

نہ میرا عمل ، نہ ریاضتیں ،نہ ہی کی ہیں کوئی عبادتیں
مگر اک نگاہ ادھر بھی ہو، میرے دل کی ہیں جو اطاعتیں
تیرے عکس کی وہ تجلیاں، میری دید میں ہوئی منعکس
تیری روشنی میری آگہی ، تیرا نور میری بصارتیں
در توبہ کی جو وہ کیفیت، ہے وہی تو حاصل بندگی
وہ میری تڑپ، وہ میری بقاء ،تیری مغفرت کی وہ ساعتیں
کبھی ہست و نیست کے مرحلے،یہ فناء بقاء کے جو سلسلے
اسی بے خودی میں ہی پالیا ،تیرا قرب ، تیری قرابتیں
یا کبھی مجھے تو سمیٹ لے،اسی قرب میں، اسی عشق میں
یا اتر تو میرے وجود میں،مجھے وجد کی ہوں جسارتیں
مجھے ربط دے، مجھے ثبت دے ،مجھے لے لے اپنے حصار میں
تیری عافیت میرا بھرم ہے، میرا فخر تیری عنائتیں
میں حقیر ہوں ،مجھے یاد رکھ ،ذرا دیکھ میرے کف طلب
ہیں سجود میں جو ندامتیں ،میرے عجز کی ہیں وضاحتیں
کبھی شینا! گر یوں قبول ہو،میں تو صرف اتنا ہی مانگ لوں
تیرا کرم مجھ کو نصیب ہو، تیرا پیار میری بشارتیں

❁❁❁

دنیا بھر کے گلی کوچوں میں بکنے والے مشہور پکوان

تحریر: اریبہ سہیل

قسط اوّل

کسی بھی ملک کا کھانا اس کی تہذیبی روایات کی پہچان ہوتا ہے خاص طور پر گلی کوچوں میں بکنے والا کھانا اپنے شہر یا علاقے کی پہچان بن جاتا ہے کیونکہ یہ کھانا با آسانی ہر کسی کی پہنچ میں ہوتا ہے۔ سستا اور مزیدار ہونے کے باعث ہر کوئی اس کھانے سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ جب آپ کسی ملک میں گھومنے پھرنے کے لئے جاتے ہیں اور آپ کے پاس خرچ کرنے کے لئے محدود رقم ہو تو ایسے میں گلی کوچوں میں بکنے والے عوامی کھانے آپ کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں۔ ایسے کھانوں کی ایک بڑی تعداد آپ کی منتظر ہوتی ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ سارے نہیں تو ان میں سے کم از کم کچھ مشہور و معروف کھانوں کو تو ضرور چکھ کر دیکھیں۔ ہم نے دنیا کے مختلف ممالک کے شہروں اور گلی کوچوں میں بکنے والے ایسے سستے اور مزیدار کھانوں کی ایک فہرست تیار کی ہے جو ان ممالک کے دورے کے دوران آپ کے بہت کام آئے گی۔

بھارت: اپنے رنگا رنگ، متنوع اور مزے دار کھانوں کے حوالے سے بھارت یقیناً ایک اہمیت رکھتا ہے خاص طور پر گلی کوچوں میں بکنے والے سستے کھانوں کے حوالے سے بھارت کو ایک الگ پہچان حاصل ہے۔ مغلیہ عہد کی تعیّشات اور زر و جواہر کے ساتھ ساتھ بھارت کو دنیا بھر میں جو چیز منفرد بناتی ہے وہ اس عہد کے مسالے دار، لذیذ اور میٹھے پکوان بھی ہیں۔ مغلیہ دورِ حکومت سے لے کر آج کے دور تک برصغیر اپنے مسالوں کی پیداوار اور رنگا رنگ متنوع کھانوں کے باعث بھی ایک امتیاز رکھتا ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں ہی اپنے چٹخارے دار، کرارے اور لذیذ عوامی کھانوں کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہیں، بھارت میں انتہائی مقبول عوامی کھانوں میں وڑا پاؤ، بٹاٹا وڑا، پانی پوری، بھیل پوری، پاؤ بھاجی، مسالا پوری، چھولے بھٹورے اور دیگر شامل ہیں۔

امریکا: امریکا میں روز بروز خوانچوں اور فوڈ ٹرکس کے ذریعے بکنے والے کھانوں کی تعداد اور تنوع میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اگرچہ ان کھانوں میں بڑی تعداد امریکا کے اپنے مقامی کھانوں کی نہیں ہے بلکہ دیگر بہت سی چیزوں کی طرح امریکا نے بہت سے دیگر ممالک کے کھانوں کو بھی اپنایا ہے۔ ان کھانوں کی لذت انگیزی اور سستے داموں کے باعث ان کی طلب و رسد اور مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ ان عوامی کھانوں میں ہاٹ ڈاگ، اریپا، کریپیس اور ٹاکوز شامل ہیں۔

چین: ٹیکنالوجی، تاریخی مقامات اور نت نئی تراش خراش کے مہنگے ملبوسات کے ساتھ ساتھ چین کی ایک اور بڑی پہچان یہاں کے گلی کوچوں اور بازاروں میں ملنے والے سستے اور مزیدار کھانے بھی ہیں۔ ہماری مرتب کردہ فہرست میں چین کے کئی کھانے شامل ہیں جن سے چین کی تہذیبی روایات اور تمدن کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں ملنے والے یہ سستے عوامی کھانے صرف چین کے مقامی باشندوں میں ہی مقبول نہیں ہیں بلکہ دنیا بھر سے آنے والے سیاحوں کو بھی بہت بھاتے ہیں۔ گلی کوچوں میں بکنے والے ان مشہور کھانوں میں باؤزی، ژیاؤزی، ٹنگھولو، لانژو نوڈل سوپ اور چاولوں سے بنی ہوئی ایک ڈش سفان ٹوان شامل ہیں۔

ترکی: گزشتہ کچھ برسوں میں ترکی میں سیر و سیاحت کی غرض سے جانے والے افراد کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے جس کے باعث یہاں آنے والے سیاحوں کی خاطر مدارات کے لئے بہترین ریستوران بنائے گئے ہیں۔ تاہم اگر آپ ترکی جائیں اور ان مہنگے ریستورانوں کو دیکھ کر آپ کا دل للچائے تو اندر داخل ہونے سے پہلے اپنی جیب کو ضرور ٹٹول کر دیکھ لیجئے گا کیونکہ یہ بڑے ریستوران جتنے خوبصورت نظر آتے ہیں اتنے ہی مہنگے بھی ہیں۔ سیاحت اور کھانے کے درمیان ترجیحات کا تعین کرتے وقت، بہت سے لوگ سیر و سیاحت کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ پیٹ کو تو سستے کھانے سے بھی بھرا جا سکتا ہے مگر ترکی جا کے اگر اس تاریخی اور شاندار تہذیب و تمدن کے حامل ملک کے نادر و حسین مقامات کی سیر نہ کی تو پھر آپ کا یہاں آنا کسی کام کا نہیں۔ اس لئے ہم آپ کو یہاں کے گلی کوچوں میں بکنے والے سستے عوامی کھانوں کے بارے میں بتا رہے ہیں جنہیں کھانے سے آپ کی جیب پر بوجھ نہیں پڑے گا اور بچنے والے پیسوں سے آپ اس ملک میں مزید سیر کر سکیں گے، ترکی میں عوامی سطح پر مقبول سستے کھانوں میں مڈائے ڈولما، بوریک اور ڈوروم (گوشت سے بنی ایک ڈش) اور دیگر عوامی کھانے شامل ہیں۔

تھائی لینڈ: قدیم معبدوں، مارشل آرٹس، جزائر اور حسین ساحلوں کی سرزمین کہلانے والا تھائی لینڈ اپنے مزیدار اور پُرلطف کھانوں کی بنا پر بھی بہت مشہور ہے۔ تھائی لینڈ کے کھانے آپ کو ہمیشہ ایک فائدہ مند اور پُرلطف تجربہ فراہم کرتے ہیں۔ آپ کے ارد گرد خوبصورت نظارے ہوں، بہترین ماحول ہو اور سامنے شاندار کھانا ہو تو یہ ایک ناقابلِ فراموش تجربہ بن جاتا ہے۔ تھائی لینڈ کے مشہور، عوامی اور سستے کھانوں کی فہرست پیشِ خدمت ہے اگر آپ تھائی لینڈ جائیں تو ان کھانوں کو ضرور چکھیں۔ اس فہرست میں شامل کھانوں میں پیڈ تھائی، کوے ٹیو ییٹ، مو پنگ (گوشت کا ایک پکوان)، گونگ یانڈ، (جھینگے کی ایک ڈش) اور پلا پاؤ (مچھلی کا ایک پکوان) شامل ہیں۔

بلڈ پریشر کے مریضوں کیلئے دہی دوا سے کم نہیں

گُڈ بیکٹریا، یعنی کہ انسانی صحت کے لیے ناگزیر مثبت بیکٹیر یاز سے بھر پور غذا دہی کو طبی ماہرین کی جانب سے مجموعی صحت کے لیے خزانہ قرار دیا جاتا ہے، دہی کے روزانہ کی بنیاد پر استعمال کے نتیجے میں صحت کی دشمن بیماریاں جیسے کہ بلڈ پریشر اور ہائپر ٹینشن سے بھی نجات حاصل ہوتی ہے۔ طبی و غذائی ماہرین کے مطابق ہر عمر کے فرد کو دہی غذا کا اہم حصہ بنا لینا چاہیے، دہی کا شمار سپر فوڈ میں بھی کیا جاتا ہے اور اسے ایک مکمل غذا کا درجہ بھی حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ گھر کے بڑے بوڑھوں کی جانب سے ناشتے میں دہی کے استعمال کی ترغیب کی جاتی ہے۔

غذائی ماہرین کے مطابق دہی میں چکنائی اور کیلوریز انتہائی کم مقدار میں پائی جاتی ہیں، ایک کپ دہی میں صرف 120 کیلوریز موجود ہوتی ہیں، اس میں دیگر ضروری غذائی اجزاء جیسے کہ پروٹین بھی بھر پور مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح دہی کے 100 گرام مقدار میں ہزاروں گُڈ بیکٹیریاز سمیت 59 کیلوریز، 0.4 فیصد گرام فیٹ، 5 ملی گرام کولیسٹرول، 36 ملی گرام سوڈیم، 141 ملی گرام پوٹاشیم، 3.2 گرام شوگر، 11 فیصد کیلشیم، 13 فیصد کوبالامین، 5 فیصد وٹامن بی 6 اور 2 فیصد میگنیشیم پایا جاتا ہے۔ دہی کھانے یا اس سے بنی نمکین یا میٹھی لسی پینے سے تا دیر بھوک کا احساس نہیں ہوتا ہے اور انسان خود کو پر سکون بھی محسوس کرتا ہے۔ دہی کے استعمال کے نتیجے میں انسانی جسم میں ٹینشن کا احساس دلانے والے ہارمونز کی افزائش میں واضح کمی آتی ہے اور بلڈ پریشر بھی متوازن سطح پر رہتا ہے۔

غذائی ماہرین کا کہنا ہے کہ دہی بلڈ پریشر کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے بہت زیادہ فائدہ مند غذا ہے، دودھ سے بنی مصنوعات میں متعدد غذائی اجزاء جیسے کہ کیلشیم، میگنیشم اور پوٹاشیم پایا جاتا ہے اور یہ سب بلڈ پریشر کو متوازن سطح پر رکھنے کے لیے بہترین اجزاء ہیں۔ غذائی ماہرین کے مطابق امراض قلب سے دوچار افراد کے لیے بھی دہی ایک بہترین آپشن ہے جبکہ دہی کا استعمال جسم میں موجود منفی کولیسٹرول کی سطح بھی متوازن کرتا ہے۔ ❀❀❀

بس ایک نظر ایک نظر دیکھ رہی ہوں

دیا جیم

جاتے ہوئے قدموں سے جو در دیکھ رہی ہوں
بس ایک نظر ایک نظر دیکھ رہی ہوں
پرواز سے پہلے جو نکل آتے ہیں خود ہی
اڑتے ہوئے آنگن میں وہ پر دیکھ رہی ہوں
خاموشی اٹھائے ہوئے لمحوں سے لپٹ کر
آواز کا آنکھوں سے سفر دیکھ رہی ہوں
اے کاش وہیں پر سے گزر جائے محبت
اک آس کو تھامے میں جدھر دیکھ رہی ہوں
اس واسطے دنیا سے کنارہ نہیں کرتی
ساحل سے سمندر کا بھنور دیکھ رہی ہوں
دھڑکن میں نہیں آنکھ کی پتلی میں پریشاں
میں اپنی محبت کا ثمر دیکھ رہی ہوں
بھٹکی ہوں کہاں پر دیا لوٹی ہوں کہاں سے
ہر خواب کو میں بار دگر دیکھ رہی ہوں

❀❀❀

DANISH HOMES.ca

THE # 1 RESOURCE TO SELL & BUY PROPERTY

647 400 1700

Canada's

PREMIUM HOME SELLING SYSTEM

WE OFFER:

1 - Priority Access to buy a Pre-Construction Condo or House anywhere in Canada
2 - Deal with all top Lenders of Canada to arrange Financing
3 - Property Management and Lease arrangement
4 - Arrangement of Legal advise to buy or sell Property
5 - Construction and Development of Your Dream Home

DANISH CHAUDHRY

Direct: 647 400 1700 / Team: 647 723 9900

ZINGMAAR
EASY TO FOLLOW
UNIQUE RECIPES FROM
AROUND THE WORLD
FOLLOW @ZINGMAAR

ISSUE
JANUARY 2021
Vol-3 | Issue-5
JAMADI-UL-AWWAL
JAMADI-U-SSANI

AABGEENEI

MONTHLY KHAWATEEN DIGEST

An Educational and Literary Magazine For Social and Religious affairs

Under the supervision of
ABBASI ACADEMY

Editor
Mudessera Abbasi

Incharge of Gosha Adab
Humaira Nighat

Incharge of Bacchon Ka Gulistan / Pakwan
Eeshatur-Razia Abbasi

Chief executive Mohiuddin Abbasi